اسلام عالمی مذہب ہے

"اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَنَسْتَعِيْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنُؤْمِنُ بِهٖ وَنَتَوَكَّلُ عَلَيْهِ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَيِّاٰتِ أَعْمَالِنَا ، مَنْ يَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ يُّضْلِلْهُ فَلَاهَادِيَ لَهٗ . وَنَشْهَدُ أَنْ لَّآ إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ ، وَنَشْهَدُ أَنَّ سَيِّدَنَاوَسَنَدَنَا وَمَوْلَانَا مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ،أَرْسَلَهُ اللّٰهُ إِلٰى كَآفَّةً لِّلنَّاسِ بَشِيْرًا وَّنَذِيْرًا ، وَّدَاعِيًا إِلَيْهِ بِإِذْنِهٖ وَسِرَاجًا مُّنِيْرًا.

أَمَّـا بَعْـدُ! فَاَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطٰنِ الرَّجِيْمِ. بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَيْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓى اِبْرٰهِمَ وَاِسْمٰعِيْلَ وَاِسْحٰقَ وَيَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِيَ مُوْسٰى وَعِيْسٰى وَمَآ اُوْتِيَ النَّبِيُّوْنَ مِنْ رَّبِّهِمْ لَانُفَرِّقُ بَيْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ①
صَدَقَ اللّٰهُ الْعَلِيُّ الْعَظِيْمُ.

حکیمانہ تشکر...... بزرگانِ محترم! میرے تعارف کے سلسلہ میں جو کچھ کہا گیا۔ یہ اپنی عالی ظرفی اور بلند خیالی کا اظہار کیا گیا ہے۔ میرے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں۔ اس میں ان حضرات نے اپنے ظرف کی بلندی ظاہر فرمائی۔ میری بلندی اس میں ظاہر نہیں ہوتی۔ اس لئے میرے ذمہ شکریہ ادا کرنا نہیں ہے۔ اس لئے کہ آپ تعریف اپنی کریں کہ ہم اتنے عالی حوصلہ یا وسیع الظرف ہیں اور شکریہ میں ادا کروں؟ آپ اپنی تعریف کریں تو مجھ پر شکریہ کب فرض ہے؟ میری آپ تعریف کرتے تو میں شکریہ ادا کرتا۔

اور تعریف کی بھی تو ایسی کہ اس کا واقعہ سے کوئی تعلق نہیں۔ کسی نے کہا کہ یہ چاند اور سورج ہیں تو میں کب چاند اور سورج ہوں میں انسانی مخلوق ہوں یہ کون سی میری تعریف، ہوئی جو واقعہ کے خلاف ہے۔ کسی نے کہا کہ بہت بڑا آدمی ہوں تو میں کب بڑا ہوں؟ غرض میری تعریف کرتے تو میں شکریہ ادا کرتا آپ نے میری تعریف نہیں کی۔ اس لئے میرے ذمہ نہیں ہے کہ میں آپ حضرات کا شکریہ ادا کروں؟

دار العلوم کا ایک طالب علم ...... جہاں تک تعارف کا تعلق ہے تو میں اپنا تعارف خود کرائے دیتا ہوں! میرا تعارف نہ چاند سورج سے ہوگا۔ نہ علم اور فضل سے ہوگا۔ اس لئے کہ علم اور فضل میں یہ حضرات مجھ سے بڑھے ہوئے ہیں۔ آپ کے سامنے مولانا محمد حسن صاحب کھڑے ہوئے تھے وہ ہمارے دار العلوم (دیوبند) کے استاذ

① پارہ:۳،سورۃ آل عمران،الآیۃ:۸۴.

ہیں۔ میں بھی ان کی تعظیم کرتا ہوں میں ان کے سامنے ایک طالب علم ہوں۔

مولانا انظر شاہ صاحب ہیں۔ عمر میں مجھ سے چھوٹے ہیں۔ مگر علم میں کہیں بڑھے ہوئے ہیں میں دل سے ان کی عظمت کرتا ہوں۔ تو میرا تعارف یہ ہے کہ میں دارالعلوم دیو بند کا ایک طالب علم ہوں۔ وہاں کے اساتذہ اور بزرگوں کی جوتیاں سیدھی کرنا میرا کام ہے اس کے سوا اور کوئی کام نہیں۔ غرض اس سے زیادہ سمجھا بھی نہ جائے۔

اور یہ کوئی تواضع نہیں ہے۔ اس لئے کہ یہ حضرات تو دن رات تعلیم میں لگے ہوئے ہیں۔ ان کا علم تازہ ہے مجھے پڑھے ہوئے ساٹھ برس ہو گئے۔ ان کا علم تازہ ہے اور میرا باسی۔ اور باسی ہو کر بھی چوراسی ہو گیا۔ گویا قریب الختم ہے۔ اس واسطے میرا تعارف اس سے زیادہ نہیں کہ دارالعلوم کا ایک طالب علم ہوں۔ اور ان حضرات کی خدمت کرنا میرا فرض ہے۔ انہوں نے جو کچھ کہا اپنی عالی ظرفی سے کہا۔ میرا اس میں کوئی دخل نہیں ہے۔

ادائیگی فرض...... باقی شکریہ ادا کر دینا میرا فرض تھا۔ کہ جب آپ نے صدر بنا دیا۔ تو اصل میں تو صدر بنانے والے آپ ہیں۔ جو گھٹیا آدمی کو بنا سکتے ہیں تو وہ خود صدر ہیں (بلکہ صدر ساز ہیں) جن کو بنانے پر قدرت ہے وہ خود صدر ہوں گے۔ بہر حال جب آپ نے صدر بنا دیا اور اس کرسی پر بٹھا دیا۔ تو لا محالہ اس کرسی کا وقار اور اس کی لاج رکھنا میرا فرض ہے۔ اس سلسلہ میں چند باتیں مجھے گزارش کرنی ہیں۔ لیکن مناسب یہ ہے کہ جو آیت میں نے تلاوت کی ہے جس کے بارے میں چند باتیں گزارش کرنی ہیں۔ اس سے پہلے ایک مختصر سی تمہید عرض کر دوں جس کے ذریعے آیت کا مفہوم سمجھنا بھی آسان ہو جائے گا اور آیت کا جو منشاء اور مقصد ہے وہ بھی انشاء اللہ واضح ہو جائے گا۔ ابتداء میں تھوڑی سی تمہیدی باتیں ہیں۔

تمہید...... پہلی بات تو یہ ہے کہ اس وقت دنیا بین الاقوامی ہو گئی ہے۔ یعنی ساری دنیا سمٹ کر ایک قبیلہ بن گئی ہے پہلے اگر دوسری ولایتوں کا مہینوں میں سفر ہوتا تھا اب وہ دنوں میں ہونے لگا ہے، جو سفر دنوں میں ہوتے تھے اب وہ گھنٹوں میں طے ہونے لگے ہیں جو گھنٹوں میں ہوتے تھے وہ منٹوں میں طے ہونے لگے تو ساری دنیا سمٹ کر ایک قبیلہ بن گئی ہے۔ پہلے بچپن میں ہم لوگ اگر دس بارہ میل کا سفر کرتے تھے تو بڑی تیاریاں ہوتی تھیں۔ کہ سفر درپیش ہے۔ آج وہ سفر سفر نہیں رہا شہروں میں دس بارہ میل کا سفر تو روزانہ ہوتا ہے۔ تو وسائل ایسے مہیا ہو گئے کہ جن کی وجہ سے مہینوں کا سفر گھنٹوں میں بدل گیا ہے۔ ہوائی جہاز پہ آپ یورپ جائیں گے تو بارہ گھنٹوں میں پہنچ جائیں گے پہلے دیو بند سے دہلی تک اڑتالیس گھنٹے لگتے تھے۔ اور اب لندن بارہ گھنٹوں میں پہنچ جاتے ہیں۔ تو ہزاروں میل کا سفر ایسا ہو گیا ہے جیسے چند فرلانگ کا سفر ہوتا ہے سواریاں ایسی ایجاد ہو گئیں کہ انہوں نے ساری دنیا کو لپیٹ کر رکھ دیا۔

نظریاتی یکسانیت...... اسی طرح سے علم و فضل کے وسائل اتنے بڑھ گئے ہیں کہ آج جو آپ یہاں علم رکھتے ہیں، وہی علم لندن والے بھی رکھتے ہیں۔ وہی معلومات امریکہ و جرمنی میں ہیں۔ کوئی خصوصیت کہیں کی باقی نہیں رہی۔ حتیٰ کہ تمدن کی خصوصیات مٹتی چلی جا رہی ہیں یورپ و امریکہ اور ہندوستان کا تمدن یکساں سا ہو گیا ہے۔ جو چیزیں آپ

لندن میں دیکھیں گے، وہی بمبئی اور کلکتہ میں دیکھیں گے، جو امریکہ میں ہیں وہی امریکن اسٹائل یہاں بھی نظر پڑیں گی۔ تو تمدن بھی یکساں، نظریات بھی یکساں گویا پوری دنیا بین الاقوامی بن گئی۔ مسائل ایک ملک کے ہیں اور دنیا کے سارے ملک مل کر طے کر رہے ہیں، تو کسی ملک کی سیاست اپنی اندرونی نہیں رہی بلکہ بیرونی سیاست کے تابع ہو گئے ہیں ہر ملک کا یہی معاملہ ہے کشمیر کا معاملہ آپ کے ملک کا ہے اور اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ درپیش ہے، آپ کے ملک کا مسئلہ ہے اور یورپ اور امریکہ والے بیٹھ کر طے کر رہے ہیں۔ تو چھوٹے چھوٹے مسائل اقوام متحدہ میں پیش ہوتے ہیں۔ اور وہ فیصلہ کرتے ہیں۔ تو کسی ملک کی کوئی خصوصیت باقی نہیں رہی، اس لئے نظریات بھی یکساں ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ جو نظریہ تمدن کے بارے میں یورپ کا ہے وہی آج آپ کا، امریکہ اور روس کا بھی ہے۔ تو مدنیت اور معاشرے کا ایک ہی ذریعہ ہو گیا ہے۔ کوئی فرق باقی نہیں رہا۔ وہاں سے نظریات برآمد ہوتے ہیں۔ آپ کے ملک میں آتے ہیں۔ آپ قبول کرتے ہیں۔ تو ساری دنیا سمٹ کر ایک کنبہ بن گئی ہے جس سے ہر ملک کی خصوصیات ختم ہو گئیں۔ نظریات ایک ہو گئے۔ ذہنوں کا رخ ایک بن گیا۔ پلیٹ فارم ایک بن گیا۔ اور دنیا یہ چاہتی ہے کہ سب کے اندر یکسانیت پیدا ہو جائے۔ یہ ایک نظریہ ہے جو اب چل رہا ہے۔

مذہبی یکسانیت...... تو میں عرض کرتا ہوں کہ یہ نظریات جب یکسانیت کے ساتھ قائم ہو گئے حتی کہ تمدن و معاشرہ بھی ایک ہو، تو قدرتی طور پر یہ مسئلہ سامنے آئے گا کہ پھر مذہب بھی ایک ہی ہو۔ دین بھی سب کا ایک ہی ہو۔ کوئی وجہ نہیں کہ معاشرت تو یکساں ہو اور مذہب الگ الگ ہو۔ تمدن ایک ہو جائے اور دین ایک نہ ہو، یہ فطرت اور طبیعت کے خلاف ہے۔ نظریات میں یکسانیت پیدا ہو گئی۔ مذہب کی یکسانیت کا مسئلہ باقی رہ گیا۔ وہ بھی آہستہ آہستہ آتا جا رہا ہے۔ اور مذہبیت جاندار ہو رہی ہے۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

"لَایَبْقٰی عَلٰی ظَهْرِ الْاَرْضِ بَیْتُ مَدَرٍ وَّلَاوَبَرٍ اِلَّا اَدْخَلَهُ اللّٰهُ کَلِمَةَ الْاِسْلَامِ بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَبِذُلِّ ذَلِیْلٍ" (۱)

"روئے زمین پر کوئی کچا اور پکا مکان باقی نہیں رہے گا۔ کپڑے کا گھرانہ ہو، جیسے خیمہ یا پتھروں کا گھرانہ ہو جیسے پہاڑوں پر مکانات ہوتے ہیں۔ یا اینٹ پتھر کا گھرانہ جسے آپ تعمیر کرتے ہیں۔ کوئی گھرانہ باقی نہیں رہے گا جس میں اسلام کا کلمہ داخل نہ ہو جائے گا" بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَ بِذُلِّ ذَلِیْلٍ کوئی رغبت سے قبول کرے یا مجبور ہو کر۔ مجبوری کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ مسلمان کسی کے گلے پر چھری رکھیں گے کہ یا قبول کرو، نہیں تو ذبح کر دیں گے۔ اس کی تو اسلام نے مخالفت کی ہے۔ صاف فرمایا گیا: ﴿لَا اِکْرَاهَ فِی الدِّیْنِ قَدْ تَّبَیَّنَ الرُّشْدُ مِنَ الْغَیِّ﴾ (۲)

دین کے اندر کوئی جبر نہیں ہے نیکی اور بدی، خیر اور شر خود کھل کر سامنے آ گئی ہے جس کا جی چاہے اسلام قبول کرے جس کا جی چاہے نہ کرے، کوئی جبری چیز نہیں ہے۔ حتی کہ یہاں تک فرمایا: ﴿اَفَاَنْتَ تُکْرِهُ النَّاسَ حَتّٰی

---

(۱) مسند احمد، حدیث المقداد بن الاسود، ج:۶، ص ۴، رقم: ۲۳۸۶۵. حدیث صحیح ہے دیکھئے: مجمع الزوائد ومنبع الفوائد، باب وصبره علی ذلک ج: ۲ ص: ۴۴۹. (۲) پارہ: ۳، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۲۵۶.

یَکُوْنُوْا مُؤْمِنِیْنَ﴾ ''اے پیغمبر! کیا آپ لوگوں کو مجبور کریں گے کہ لوگ مسلمان بنیں''۔ یہ آپ کا حق نہیں ہے۔ یہ اللہ کا حق ہے جس کے جی میں چاہے ایمان ڈال دیں آپ کا کام صرف تبلیغ اور دین کا پہنچا دینا ہے ماننا نہ ماننا ہر شخص کے اختیار میں ہے جس کو دوسری جگہ قرآن کریم نے فرمایا: ﴿فَمَنْ شَآءَ فَلْیُؤْمِنْ وَّمَنْ شَآءَ فَلْیَکْفُرْ اِنَّآ اَعْتَدْنَا لِلظّٰلِمِیْنَ نَارًا اَحَاطَ بِھِمْ سُرَادِقُھَا﴾ ① ''جس کا جی چاہے ایمان قبول کرے جس کا جی چاہے نہ قبول کرے ہم نے عذاب آخرت تیار کر رکھا ہے جس کا جی چاہے بچ جائے جس کا جی چاہے اپنے کو اس کے اندر جھونک دے''۔

تو دین میں کوئی جبر نہیں۔ اس لئے فرمایا: ''بِعِزِّ عَزِیْزٍ وَبِذُلِّ ذَلِیْلٍ'' اسلام کا کلمہ ہر شخص تک پہنچ جائے گا خواہ وہ رغبت سے مانے یا مجبور ہو کر۔ تو مجبوری کے یہ معنی نہیں ہوں گے کہ مسلمان تلوار سے مجبور کریں گے۔ مجبور کے معنی یہ ہوں گے کہ ہر شخص کو دھکے کھا کر مجبور ہو کر انہی اصول کے اندر پناہ ملے گی۔ جو اسلام نے لا کر رکھے ہیں۔ لوگ مجبور ہو کر قبول کریں گے۔ اس کے سوا چارہ کار باقی نہیں رہے گا تو یہ حاصل ہوا کہ گھر گھر اسلام کا کلمہ داخل ہو کر رہے گا۔ تو میں سمجھتا ہوں کہ آج اس کی تمہید بڑھتی چلی جا رہی ہے تمدن ایک بن گیا۔ نظریات ایک بن گئے معاشرت ایک ہوتی جاری ہے۔ خود یہ سوال آئے گا کہ پھر مذہب کیوں نہ ایک ہو؟ دین کیوں نہ ایک ہو؟ ساری قومیں مل کر ایک پلیٹ فارم پر کیوں نہ جمع ہوں؟ اتحاد تو جبھی پیدا ہوگا۔ تو یہ نظریہ سامنے آنے والا ہے۔ بلکہ زبانوں پر آنے بھی لگا ہے۔ اب کھل کر آنے والا ہے چند دن کے بعد۔

عالمی دین...... تو مقصد یہ ہے کہ جب دنیا بین الاقوامی ہے تو لامحالہ ایسے دین کی طرف توجہ منعطف ہوگی جو خود بین الاقوامی ہو۔ اگر دین ایک ملک کا ہو کہ دوسرے ملک کا اس کے ساتھ تعلق نہ ہو وہ بین الاقوامی نہیں ہے، وہ تو ملک والوں کے لئے ہے۔ یا ایک خاندان کا ہو دوسرے خاندان کا نہ ہو تو دوسرا خاندان متوجہ نہیں ہو سکتا۔ لیکن جو سارے ملکوں کا ہو سارے عالم کا ہو اس کی طرف خواہ مخواہ عالم کی توجہ ہوگی۔ حدیث میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کَانَ النَّبِیُّ یُبْعَثُ اِلٰی قَوْمِہٖ خَاصَّۃً وَّبُعِثْتُ اِلَی النَّاسِ کَآفَّۃً'' ② ''پہلے پیغمبر اپنی اپنی اقوام اور خاص خاص قوموں کی طرف۔ ان کو ہدایت کرتے تھے نصیحت کرتے تھے۔ تو اب یہ خاص کون ہیں؟''

تو بعض انبیاء علیہم السلام تو ایک خاندان کی طرف آئے ہیں جیسے بنی اسرائیل اس خاندان میں ہزاروں انبیاء علیہم السلام مبعوث ہوئے لیکن ہر نبی کا کام یہ تھا کہ اسرائیلی خاندان کی اصلاح کرے، انہیں دوسرے خاندانوں سے تعلق نہیں تھا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے بارے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: عیسیٰ علیہ السلام رسول ہیں مگر بنی اسرائیل کے۔

خود حضرت مسیح علیہ السلام نے فرمایا کہ میں تو اسرائیلی بھیڑوں کو جمع کرنے آیا ہوں کہ یہ منتشر نہ رہیں دوسری اقوام میں جو بھیڑیں ہیں ان سے مجھے تعلق نہیں۔ تو بعض انبیاء مخصوص خاندانوں کی طرف آئے۔ اسی خاندان کی

① پارہ: ۱۵، سورۃ الکھف، الآیۃ: ۲۹. ② الصحیح للبخاری، کتاب الصلاۃ، باب قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم جعلت لی الارض مسجداً وطھوراً، ج: ۱، ص: ۱۶۸، رقم: ۴۲۷.

اصلاح ان کے ذمے تھی۔

بعض مخصوص ملکوں کی طرف آئے یا مخصوص قوموں کی طرف کہ جیسے حضرت یونس علیہ السلام کہ چار قوموں کی طرف مبعوث ہوئے انہی کے اصلاح کے لئے آئے تھے۔ اور قوموں سے انہیں کوئی تعلق نہیں تھا، اسی طرح سے اور انبیاء علیہم السلام اپنی اپنی اقوام، خاندان اور قبیلوں کی طرف بھیجے گئے جیسا کہ قرآن کریم میں ارشاد فرمایا گیا۔ ﴿ وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ ”ہر قوم کے لئے ہم نے ہادی بھیجا اور ڈرانے والا بھیجا“۔ ﴿وَاِنْ مِّنْ اُمَّةٍ اِلَّا خَلَا فِيْهَا نَذِيْرٌ﴾ ”کوئی امت ہم نے نہیں چھوڑی جس میں ڈرانے والے نہ بھیجے ہوں“۔ اور فرمایا گیا۔ ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِيْنَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا ﴾ ”ہم کسی قوم کو عذاب نہیں دیتے جب تک رسولوں کو بھیج کر تمام حجت نہ کردیں“۔

دین پیش کردیں اور وہ نہ مانیں، حجت تام ہو تب ہم عذاب دیں گے، ورنہ ہم عذاب دینے والے نہیں ہیں۔

تو قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے۔ کہ کوئی قوم اور ملک باقی نہیں ہے جس کے اندر انبیاء علیہم السلام نہ آئے ہوں۔ اب یہ حجت تام اتنی عام ہے تو کروڑوں کا ملک ہو یہ کیسے ممکن تھا کہ اس کے اندر اللہ کی طرف سے ڈرانے والے نہ آئے ہوں۔

آغازِ اسلام...... اور میں کہتا ہوں کہ سب سے پہلے پیغمبر تو ہندوستان ہی میں مبعوث ہوئے حضرت آدم علیہ السلام ہندوستان میں ہی آئے تو ہندوستان میں ان کا نزول اور اترنا ثابت ہے۔ حضرت آدم علیہ السلام نے ہندوستان سے عربستان کا سفر کیا ہے۔ اور ایک سو بیس حج کئے ہیں چالیس حج پیدل کئے ہیں اور بقیہ حج بیل پر سوار ہو کر کئے ہیں۔ تو سب سے پہلا دار النبوت اور دار الخلافت اللہ کا ہندوستان ہے جس سے مذہب کا آغاز ہوا۔ مذہب کی تکمیل عربستان میں ہوئی مگر آغاز ہندوستان سے ہوا۔ تکمیل کے لئے تو فرمایا: ﴿ اَلْيَوْمَ اَكْمَلْتُ لَكُمْ دِيْنَكُمْ وَاَتْمَمْتُ عَلَيْكُمْ نِعْمَتِيْ وَرَضِيْتُ لَكُمُ الْاِسْلَامَ دِيْنًا﴾ ① ”حق تعالیٰ فرماتے ہیں کہ آج کے دن میں نے دین کو مکمل کردیا۔ اور اپنی نعمتوں کو تم پر پورا کردیا ہے۔ اور میں آج اسلام کے سوا تم سے کسی اور دین پر راضی نہیں ہوں“۔

اسلام لے کر تو حضرت آدم علیہ السلام آئے ہیں۔ آغاز ان سے ہوا۔ تکمیل عربستان میں ہوئی۔ بیچ میں انبیاء علیہم السلام آتے رہے۔ ہر ملک اور قوم کی طرف آتے رہے اور تبلیغ اسلام کرتے رہے مگر اللہ کا دین ایک رہا شریعتوں میں چوں کہ تغیر و تبدیل ہوتا رہا پچھلی شریعتوں میں ایک چیز حلال تھی تو اگلی شریعتوں میں اسے حرام کردیا۔ یا پہلی شریعت میں حرام تھی۔ اگلی شریعت میں اسے حلال کردیا۔ شرائع کے اندر تو تغیر و تبدل رہا۔ مگر دین ایک رہا۔

تکمیل شریعت...... دین کے معنی اصول کے ہیں۔ اللہ کی توحید، نبی کی عظمت، آخرت کا یقین جنت و دوزخ کا ہونا۔ ملائکہ کا وجود، پل صراط کا ہونا۔ عرش کرسی اور لوح و قلم کا ہونا یہ غیبی چیزیں ہیں جو سب انبیاء کے زمانے میں ایک رہی ہیں۔ البتہ حلال و حرام کے احکام جس کو ہم عملی پروگرام کہیں گے اس عملی پروگرام میں کچھ تغیر و تبدیل ہوتا رہا، اخیر

① پارہ ۶: سورة المائدة، الآية: ۳۔

میں آ کر وہ بھی مکمل ہو گیا۔ شریعت بھی اتنی مکمل ہو گئی کہ اب اس میں کمی اور زیادتی کی گنجائش نہیں۔ اس کی مثال بالکل ایسی ہے جیسے بچہ پیدا ہوا تو اس کے لئے کرتہ بنائیں تو بالشت بھر کا ہوگا۔ اور وہ بھی بلکہ بڑا ہوگا۔ بچہ اس میں چھپ جائے گا۔ لیکن اب جوں جوں بڑھتا جائے گا تو پیمائش بڑھتی جائے گی۔ تو بچہ تو پیدائش سے لے کر ایک ہی ہے۔ مگر لباس اسکے بدلتے رہے۔ اسی طرح سے دین ایک ہے مگر عملی پروگرام کے لباس بدلتے رہے ہیں۔

وحدتِ دین...... انبیاء علیہم السلام آتے رہے تو تغیر و تبدل ہوتے رہے ہیں مگر دین سب کا ایک تھا۔ "کَانَ دِیْنُ الْاَنْبِیَآءِ لَآ اِلٰـهَ اِلَّا اللّٰـهُ" سارے پیغمبروں کا دین توحید تھا کہ ایک کو ہی مانو۔ ایک ہی کو سب کا کرتا دھرتا سمجھو، ایک ہی کو نفع و نقصان کا مالک سمجھو، ایک ہی کو ہادی سمجھو، ایک ہی کو زندہ کرنے اور موت دینے والا سمجھو، نہ کسی کے بس میں موت ہے نہ حیات نہ کسی کے بس میں ہدایت و راہنمائی ہے، یہ صرف اللہ کا کام ہے، نجات دینا اس کا کام ہے، تو توحید سارے انبیاء کا دین رہا۔ اور جیسا کہ قرآن کریم نے فرمایا: ﴿ وَمَآ اَرْسَلْنَا مِنْ قَبْلِکَ مِنْ رَّسُوْلٍ اِلَّا نُوْحِیْٓ اِلَیْهِ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّآ اَنَا فَاعْبُدُوْنِ ﴾ ① "کوئی رسول دنیا میں ہم نے نہیں بھیجا جس نے یوں نہ کہا ہو کہ خدا کے سوا کوئی معبود نہیں اور اسی کی عبادت کرو"۔

نہ انبیاء علیہم السلام کی عبادت کرو نہ اولیاء اللہ کی عبادت کرو، نہ علماء و مشائخ کی، عبادت کے لئے سزا وار صرف ایک ہی ذات ہے، اور وہ ذات اللہ کی ہے، اس لئے کہ زندہ کرنے اور مارنے والا صرف اللہ ہے اگر زندہ کرنے میں معاذ اللہ اس کا کوئی شریک ہوتا کہ کچھ ہماری اور آپ کی قوت اور کچھ اللہ تعالیٰ کی قوت، مل ملا کر زندہ کر دیا۔ اسی طرح موت دینے میں اللہ کے کچھ اور بھی شریک ہوتے تنہا اللہ کی قوت کافی نہ تھی، کچھ اور لوگوں کو ملا کر فلاں کو موت دی جائے۔ تو اگر موت و حیات میں شرکت ہوتی تو عبادت میں بھی شرکت ہوتی، تو اللہ کی بھی عبادت کرتے اور جوان کے شریک ہوتے، ان کی بھی عبادت کرتے۔

مگر زندگی، موت، صحت و مرض، رزق دینے والے وہ تنہا ہیں اور کل معاملات ان کے ہاتھ میں ہیں پھر عبادت بھی تنہا انہی کی ہوگی، یہ کیسے ممکن ہے کہ کام تو وہ کریں اور جھکیں دوسرے کے آگے، دوسروں کے آگے پیشانی رگڑیں، جس کے ہاتھ میں زندگی اور موت کی باگ ڈور ہے، اسی کی عبادت کی جائے گی تو آیت شریفہ میں یہ بتلایا گیا کہ ہم نے کوئی رسول نہیں بھیجا جس نے یہ تعلیم نہ دی ہو کہ دیکھو! اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں، اسی کی عبادت کرو، اسی سے ڈرو۔ اگر اس سے ڈرو گے تو سب سے ڈرنا چھوڑ دو گے۔ اگر اس سے نہیں ڈرو گے تو سب سے ڈرنا پڑے گا، اگر اس کی عبادت کرو گے تو ہر ایک کی عبادت ترک کر دو گے۔ اگر اس کی عبادت نہیں کرو گے تو در در پر جھکنا پڑے گا۔

ترک توحید کی پھٹکار...... آج کوئی آپ کے آگے جھک رہا ہے کوئی پتھر کے آگے جھک رہا ہے، کوئی آگ کے

① پارہ: ۱۷، سورۃ الانبیاء، الآیۃ: ۲۵.

آگے کوئی پانی کے آگے، تو میں کہتا ہوں کہ یہ شرک نہیں ہے یہ پھٹکار ہے کہ جب ایک کی عبادت نہیں کی تو ایک ایک چیز کے سامنے ناک رگڑ رگڑ کر یہاں بھی ذلیل بنو وہاں بھی ذلیل بنو، انسان کو اللہ نے معظم اور مکرم بنایا تھا کہ اللہ کے سوا کسی اور کے آگے اس کی پیشانی نہ جھکے، جب اس نے اپنے آپ کو خود عزت والے سے ہٹا لیا تو ایک ایک مخلوق کے آگے اسے جھکنا پڑا، ذلیل ہونا پڑا۔ حالانکہ آگ پانی، مٹی ہوا تو ہمارے خادم ہیں۔ یہ معبود تھوڑا ہی ہیں۔ ان سے تو ہم کام لیتے ہیں، پانی سے نجاستیں اور گندگیاں دھوتے ہیں، پھر پانی کی طبیعت یہ ہے کہ نیچے کی طرف جائے۔ آپ اسے آٹھویں منزل پائپ کے ذریعے لے گئے، جانے پر یہ مجبور ہے آپ پانی سے مجبور نہیں ہیں، پانی آپ سے مجبور ہے، کہ وہ نیچے کو جانا چاہتا ہے اور آپ اس کی طبیعت کے خلاف اس کو اوپر لے جانا چاہتے ہیں۔ آگ کی طبیعت یہ ہے کہ وہ اوپر کو جاتی ہے اس کی لپٹ جب جاتی ہے تو اوپر کی طرف، نیچے کی طرف نہیں جائے گی، لیکن مشینوں کے ذریعے سے آپ اس کی لپٹ کو نیچے لے جاتے ہیں، وہ مجبور ہے کہ مشین چل رہی ہے لپٹ نیچے جارہی ہے، تو آگ نے آپ کو مجبور نہیں کیا آپ نے آگ کو مجبور کر دیا۔ زمین پر آپ کو قابو ہے، زمین کو آپ پر قابو نہیں ہے، چناں چہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿هُوَ الَّذِیْ جَعَلَ لَكُمُ الْاَرْضَ ذَلُوْلًا فَامْشُوْا فِیْ مَنَاكِبِهَا وَ كُلُوْا مِنْ رِّزْقِهٖ وَاِلَیْهِ النُّشُوْرُ﴾ ①

زمین کو ہم نے تمہارے سامنے ذلیل بنا دیا ذلیل نہیں کہا بلکہ مبالغہ کا صیغہ ذلولا فرمایا، اس کو کھودیں، پھاڑیں، چکنا چور کریں، بیچاری چوں نہیں کرتی، اسی طرح اس میں پانی بہا دیں نالی کھودیں چوں نہیں کرے گی، تو زمین آپ کے سامنے مجبور ہے آپ اس کے سامنے مجبور نہیں ہیں۔

یہی صورت ہوا کی بھی ہے کہ ہوا کو آپ نے مجبور کر رکھا ہے، یہ ہوا جو فضا میں بھری ہوئی ہے، آپ کے قبضے میں جب آتی ہے تو جیسا چاہے تصرف کریں، سائیکل کے ٹیوب کے اندر آپ نے اُسے بند کر رکھا ہے، نکلنا چاہتی ہے مگر جا نہیں سکتی، پانچ آنے کی گیند آتی ہے اس میں الگ بند کر رکھا ہے، گیند کو نیچے ماریں گے وہ اچھل کر اُوپر جائے گی وہ ہوا ہی ہے نکلنا چاہتی ہے مگر نہیں نکل سکتی آپ نے اس کو قید کر رکھا ہے، غرض ہوا آپ کے سامنے مجبور ہے۔

یہی صورت آگ کی بھی ہے، اب یہ آپ کے سامنے بجلی ہے یہ پہاڑوں کو چکنا چور کر دیتی ہے۔ اب جب انسان کے ہاتھ میں آ گئی تو ایک پتلے سے تار میں باندھ رکھا ہے نہ چھوڑیں تو تار میں بند ہے۔ ذرا سوئچ نیچے دبا دیں فوراً خادم حاضر ہے۔ تو جو پہاڑوں کو چکنا چور کرتی ہے انسان کے ہاتھ میں آ کر قید ہوئی، تو چوں نہیں کر سکتی ہے۔ گرفتار ہے، بجلی کیا ہوئی ایک خادم ہوئی۔ تو خادم کا کام یہ ہے کہ وہ انسان کے آگے جھکے، انسان نے الٹا کام کر دیا خود اس کے آگے جھکنا شروع کر دیا کبھی آگ کے آگے کبھی پانی کے آگے، کبھی درخت کے آگے، یہ سب چیزیں تو تمہاری خادم ہیں، تمہارے استعمال کے لئے پیدا کی گئی ہیں، ان کا کام ہے کہ وہ تمہاری اطاعت کریں، نہ یہ کہ انسان جیسی

① پارہ: ۲۹، سورۃ الملک، الآیۃ: ۱۵.

معظم ومکرم چیز ان کے آگے جھکے اوران کی اطاعت کرے۔تو جھکنے کے لئے ایک ہی ذات سزاوار ہے جس کے ہاتھ میں سورج بھی ہے چاند بھی ہے درخت بھی ہیں پہاڑ بھی ہیں جیسا کہ قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿لَا تَسْجُدُوْا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوْا لِلّٰهِ الَّذِیْ خَلَقَهُنَّ اِنْ كُنْتُمْ اِيَّاهُ تَعْبُدُوْنَ﴾ ① نہ تم سورج کو سجدہ کرو نہ چاند کو سجدہ کرو، اس ذات کو سجدہ کرو جس نے سورج اور چاند جیسی چیزیں تمہارے سامنے بنا کر رکھ دیں، اور تمہارے لئے بنائیں۔تو صبح کو سورج نکلتا ہے روشنی پھینکتا ہے تا کہ تم اپنے کام کاج کرو۔ رات کو چاند نکلتا ہے۔ اگر رات کو بھی سورج رہتا تو بڑی مشکل ہو جاتی۔تو رات کو وہ ستارے چمکائے جس میں ٹھنڈی روشنی ہے، دن میں وہ ستارے چمکائے جس میں گرم روشنی اور چاندنا کافی ہے، تو جس نے ان کے نوروں اور روشنیوں میں فرق ڈالا وہ اللہ رب العزت ہیں تو وہ عبادت کے لائق ہیں یا یہ چاند سورج عبادت کے لائق ہیں؟ یہ تو اس قدرت کے مظاہر ہیں کہ کسی میں گرم نور اور کسی میں ٹھنڈا نور چمکا دیا، پہاڑوں کو عظمت اور رفعت دے دی۔آسمان کو بلند کر دیا مگر سب کی بلندیوں سے جو زیادہ بلند ہے وہ ذات بابرکات ہے، سب عظمتوں پر جس کی عظمت فائق ہے وہ اللہ رب العزت کی ذات ہے۔تو سارے انبیاء کا دین یہی رہا توحید اور یہ کہ ایک کو کرتا دھرتا سمجھو اور اسی کے آگے جھکو۔

تاثیرِ توحید......اسی میں قلب کی قوت بھی ہے

یک در گیر محکم گیر

ایک در کو مضبوط تھا مو جو ایک کا ہو جاتا ہے اس کے قلب میں قوت آجاتی ہے کہ میرا آقا موجود ہے، اور چند آقاؤں کا غلام کسی آقا کی خدمت نہیں کر سکتا ایک طرف جھکے گا اسے خطرہ ہو گا کہ دوسرا خفا نہ ہو جائے دوسرے کے آگے جھکے گا اسے خطرہ ہو گا تیسرا خفا نہ ہو جائے۔تو چند آقاؤں کا غلام کسی آقا کی خدمت نہیں کر سکتا۔غلام جب خدمت کرے گا ایک آقا کی کرے گا جو متعین ہو کہ اسی کے ہاتھ میں میرا مفاد ہے۔تو حق تعالیٰ شانہ کے ہاتھ میں نفع ونقصان، وجود وعدم اور موت وحیات ہے، اس واسطے عبادت کے لائق وہ ہی ہے سارے انبیاء علیہم السلام نے یہی تعلیم دی ہے، تو میرے کہنے کا مطلب یہ تھا کہ دین سارے انبیاء علیہم السلام کا ایک رہا۔شریعتیں کچھ مختلف ہوتی رہی ہیں، جیسے آدمی کے لباس بدلتے رہتے ہیں مگر آدمی وہی رہتا ہے، وہی بچہ جس نے بالشت بھر کا لباس پہنا تھا وہی اب ڈیڑھ گز کا لباس پہنے گا کیوں کہ اس کی عمر اب بیس برس کی ہو گئی، لیکن جب اس کی نشو ونما مکمل ہو گئی۔اب اس میں بڑھنے کی گنجائش نہیں رہی۔اب جو لباس پہنے گا اس کی پیمائش متعین ہو گی وہ نہ کم ہو سکتا نہ زیادہ، اس لئے کہ کم زیادہ تو تب ہو جب انسان کے اندر بڑھنے کی گنجائش ہو کیوں کہ اس کی نشو نما اور بڑھوتری مکمل ہو چکی ہے۔اب لباس کی پیمائش متعین ہو گی۔غرض دین تمام انبیاء علیہم السلام کا ایک ہی رہا، شریعتیں بدلتی رہیں۔اس لئے عبادت صرف ایک ہی ذات کی کی جائے گی۔

---

① پارہ: ۲۴، سورۃ حٰم سجدۃ، الآیۃ: ۳۷.

عبادت و تعظیم کا فرق...... البتہ کسی چیز کی تعظیم کا حکم ہو تو اس کی عظمت بجالائی جائے گی۔ حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب قدس سرہ جو صاحب کشف و کرامات بزرگ اور اولیائے کاملین میں سے تھے، دارالعلوم دیو بند کے سب سے پہلے صدر مدرس تھے، مولانا پر اکثر جذب کی کیفیت طاری رہتی تھی۔ ایک دفعہ مولانا کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ گنگا کہاں سے نکلی ہے؟ جو ایک قوم کی قوم گنگا کی عظمت کر رہی ہے، اسی وقت اٹھ کر سفر شروع کر دیا تو دیو بند سے چالیس میل کے فاصلے پر گنگا بہتی ہے، مولانا نے چالیس میل کا سفر کیا۔ اور اس موضع مین پہنچے جہاں سے گنگا کا دہانہ پھوٹا ہے، جو ہمالیہ پہاڑ کے دامن میں ہے، گنگوتری اس جگہ کا نام ہے، سات دن وہاں ٹھہرے اس کے بعد آ کر فرمایا کہ میں نے گنگا کے دہانے پر روزے رکھے، عبادتیں کیں ذکر اور تلاوت خوب کرتا رہا تو مجھ پر یہ منکشف ہوا کہ جہاں سے دہانہ پھوٹا ہے وہاں سے مجھے انوار نبوت محسوس ہوئے، یا تو کسی نبی کی وہاں قبر ہے یا کسی نبی کی نشست گاہ ہے جہاں بیٹھ کر انہوں نے قوم کو ہدایت کی ہے، اسی برکات کے آثار اس پانی میں ہیں، اس لئے قوم کی قوم، اس کی عظمت کر رہی ہے۔ فرق اتنا ہے کہ ایک ہے کسی چیز کی عظمت کرنا اور ایک ہے عبادت کرنا۔ عبادت جائز نہیں عظمت سب کی ضروری ہے۔

زمزم شریف جو آپ کے ہاں پانی ہے اس کی آپ عظمت کرتے ہیں اس لئے کہ حضرت ہاجرہ علیہا السلام کیساتھ حضرت اسمٰعیل علیہ السلام ہیں اور چھوٹے سے بچے ہیں، پیاس لگ رہی ہے، اور ﴿وَادٍ غَيْرِ ذِيْ زَرْعٍ﴾ جہاں بیت اللہ ہے، ارد گرد ریگستان ہے، پانی کا نشان نہیں۔ تو بچے نے پیاس کے اندر تڑپنا شروع کیا۔ حضرت جبریل علیہ السلام نے آ کر پر مارا اور زمزم کا چشمہ جاری ہو گیا آپ اسے عظمت سے پیتے ہیں ہر پانی کے لئے بیٹھ کر پینا سنت ہے، لیکن زمزم کا پانی کھڑے ہو کر پینا سنت ہے، یہ تعظیم کی وجہ سے ہے اور فرمایا گیا حدیث میں: ''مَآءُ زَمْزَمَ لِمَا شُرِبَ لَهُ'' ① ''زمزم پی کر جو دعا مانگو گے، اللہ اسے قبول کرے گا''۔

تو زمزم پینے سے پہلے کچھ اپنی مراد مانگنی چاہئے، وعدہ خداوندی ہے کہ وہ مراد عطا کی جائے گی، عام پانیوں میں یہ بات نہیں ہے، زمزم میں یہ خصوصیت ہے، اس لئے سارے مسلمان مل کر زمزم کی تعظیم کرتے ہیں زمزمیوں میں بھر کر لاتے ہیں اس کا قطرہ زمین پر گرنے نہیں دیتے کہ معظم و مشرف پانی ہے لیکن اس کے سامنے سجدہ نہیں کرتے، سجدہ کے لئے صرف ایک ہی اللہ کی ذات ہے، عظمت و تعظیم اگر چہ کی جائیگی۔

تعظیمی سجدہ...... اسی طرح انبیاء علیہم السلام کی تعظیم آپ کے اوپر فرض ہے، ذرا بے عظمتی کوئی کرے گا تو اسلام سے خارج ہو جائے گا، یہ بات حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں نہیں، تمام ہی انبیاء علیہم السلام کے بارے میں ہے تو تعظیم اتنی ضروری کہ جب تک نبی کی عظمت نہ کی جائے ایمان نہیں بنتا، مگر عبادت جائز نہیں کہ نبی کو سجدہ کرنے لگیں اس کو شریعت نے ممنوع قرار دیا۔

---

① السنن لابن ماجه، كتاب المناسك، باب الشرب من زمزم ج: ۹ ص: ۱۸۲.

حدیث میں ارشاد ہے کہ: ایک دفعہ ایک صحابی حاضر ہوئے اور حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا آپ نے فرمایا: تم نے یہ کیا حرکت کی؟ عرض کیا: یارسول اللہ! یہ قیصر و کسریٰ جو روم اور فارس کے بادشاہ ہیں۔ ان کے دربار میں جب آتے ہیں تو ان کو سجدہ کرتے ہیں تو اللہ کا رسول اس کا زیادہ مستحق ہے کہ اس کو سجدہ کیا جائے، اس لئے میں نے سجدہ کیا۔

''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: غیر اللہ کے لئے سجدہ حرام ہے اگر میں اجازت دیتا سجدہ کرنے کی، تو عورتوں کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے خاوندوں کو سجدہ کیا کریں''۔ لیکن ان کے لئے بھی ممنوع اور ناجائز ہے، اس لئے یہ حرکت کبھی نہ کی جائے نبی ہو یا غیر نبی عبادت کسی کی جائز نہیں۔ تعظیماً بھی سجدہ نہیں کر سکتے اس لئے کہ صحابہ نے تو تعظیماً ہی سجدہ کیا تھا عبادت نہیں کی تھی اس کو بھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے منع قرار دیا۔ تو غیر اللہ کے سامنے عبادت کی ہیئت بھی نہیں آنی چاہئے لیکن تعظیم ضروری ہے۔

معیارِ تعظیم...... ہم حضرات انبیاء علیہم السلام اور اولیاء اللہ کی بھی تعظیم کریں گے، اگر اولیاء اللہ کی زبان سے کوئی ایسا کلمہ بھی نکلے جو بظاہر شریعت کے خلاف ہو۔ تو اس کی تاویل و توجیہ کریں گے یہ نہیں ہے کہ گستاخی یا توہین کرنے لگیں۔ تو اولیاء کی توہین جائز نہیں چہ جائیکہ انبیاء علیہم السلام؟ حتیٰ کہ حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتوی رحمتہ اللہ علیہ نے اپنی بعض کتابوں میں تحریر فرمایا کہ: ہندوؤں کے جو بڑے اور مقتدا ہیں جیسے شری گلشن جی ہیں یا شری رام چندر جی ہیں ان کا نام لے کر کبھی ان کی شان میں گستاخی نہ کرو، ممکن ہے اپنے وقت میں یہی پیغمبر اور مردان حق ہوں، اگر ہمیں سند سے معلوم ہو جاتا کہ یہ واقعی پیغمبر تھے تو ہم ان پر اسی طرح ایمان لاتے جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہم السلام پر ایمان لاتے۔ مگر سند سے ثابت نہیں اور احتمال ہے کہ یہ اپنے وقت کے پیغمبر ہوں۔ اس لئے حضرت نے تحریر فرمایا۔ کہ گستاخی کا کلمہ ان کی شان میں نہ کہا جائے۔ ممکن ہے کہ وہ مردان حق ہوں۔ اور اللہ کی طرف سے شریعتیں لے کر آئے ہوں مگر جیسے حضرت موسیٰ و عیسیٰ علیہما السلام کی شریعتوں میں قوم نے تغیر کر دیا، شریعت اپنی ذات کی حد تک حق تھی جو آئی، بعد میں لوگوں نے تغیر و تبدل کیا اور تحریف کی، کتابوں کے اندر رد و بدل کیا اس کا وبال قوموں پر ہے، پیغمبر اس سے بری ہیں، وہ اپنے وقت میں حق تھیں۔ تو بدلنا قوموں کا کام ہے، لیکن جہاں تک کتابوں کا تعلق ہے وہ آسمان سے نازل ہوئیں ان پر ایمان لانا ضروری ہے، جن پیغمبروں کا نام بتلایا گیا ان پر اور جن کا نام نہیں بتلایا گیا ان پر بھی بالاجمال ایمان لانا ضروری ہے۔ ﴿مِنْهُمْ مَّنْ قَصَصْنَا عَلَيْكَ وَ مِنْهُمْ مَّنْ لَّمْ نَقْصُصْ عَلَيْكَ﴾ ① ''بعض وہ ہیں جن کے واقعات بیان کر دیئے نام بھی لیا اور بعض وہ ہیں جن کا نام ہم نے نہیں لیا''۔ جن کا نام لے لیا ہے، ان کا نام لے کر ان پر ایمان لاؤ، اور جن کے نام نہیں لئے ان کے بارے میں یوں کہو کہ جتنے اللہ کے پیغمبر آئے ان سب پر ایمان لاتے ہیں۔

تو تعظیم اور چیز ہے عبادت اور چیز ہے، تعظیم حضرات انبیاء اور اولیاء اللہ کی بھی ہوگی اور فرض ہے علماء ربانی اور مشائخ

① پارہ: ۲۴، سورۃ الغافر، الآیۃ: ۷۸.

حقانی کی بھی تعظیم کی جائے گی مگر عبادت کسی کی نہیں کی جائیگی، عبادت صرف ایک اللہ رب العزت کی کی جائیگی کہ وہ مالک اور مختار ہے، اسی کے ہاتھ میں وجود وعدم کی باگ ڈور ہے تو انبیا علیہم السلام جتنے بھی آتے ہیں ان سب کا دین توحید رہا ہے کہ ایک کو کرتا دھرتا مانو، کسی دوسرے کی طرف عبادت کے راستہ سے مت جھکو، تعظیم کے راستہ سے جھکو۔

اوصافِ معبودیت...... اس لئے آگ ہو یا پانی، ہوا یا مٹی۔ ہم ان کی توقیر کریں گے کہ یہ اللہ کے تبرکات ہیں، مٹی بھی اسی کا ایک عطیہ ہے جس سے ہمارے پھل اور دوسری چیزیں پیدا ہوتی ہیں، جس سے ہم خود پیدا ہوتے ہیں تو وہ ماں کی جگہ ہے، اسی لئے ایک عام مثل پھیل گئی کہ ''مادر وطن'' یعنی وہ زمین جس پر آدمی پیدا ہوا اس کو اپنی ماں کہتا ہے اور بعض روایات میں بھی یہ لفظ آتا ہے کہ زمین مثل ماں کے ہے، تو مادر وطن کا لفظ چلا، اس لئے کہ جس سے ہمارا خمیر بنا، جس سے ہمارا غذا نکلی۔ اس کو ہم ماں کی جگہ سمجھیں گے، تو اس کی توقیر کریں گے کہ اللہ کا ایک عطیہ ہے مگر اس کی عبادت نہیں کریں گے۔ آگ کو ایک عطیہ سمجھیں گے، اس کی عبادت نہیں کریں گے سردیوں میں اس کے بغیر تاپ نہیں سکتے، اسکے بغیر کھانا نہیں پک سکتا۔

اور اگر کوئی عبادت کرے گا تو میں کہتا ہوں کہ اس سے زیادہ کیا بے عقلی کی بات ہے، اس لئے آگ کے سامنے اگر آپ جھکیں گے تو آگ کی لپٹ آئی تو سب سے پہلے اسی کو ہی جھلسائے گی جو سجدہ میں پڑا ہوا ہے، جس آگ کو یہ بھی تمیز نہیں ہے کہ یہ میرا ماننے والا پجاری ہے اس کو تو بچا دوں دوسروں کو پل بھر میں ختم کر دوں، جس معبود کو اتنی بھی تمیز نہیں ہے کہ یہ میرا عابد ہے اور یہ میرا عابد نہیں وہ عبادت کے لائق ہوگا؟ اسے دوست دشمن کی بھی پہچان نہیں۔

اسی طرح پانی میں آپ گئے آپ نے اس کی عبادت کی۔ جب موج آئے گی تو پہلے وہی ڈوبے گا جو عبادت کر رہا ہے۔ اس پانی کو یہ خیال بھی نہیں آئے گا کہ اسے نہ ڈبوؤں یہ تو میری عبادت کر رہا ہے، دوسروں کو جا کے ڈبوؤں۔ تو جس معبود کو یہ بھی تمیز نہ ہو کہ کون میرا عابد ہے اور کون نہیں؟ کون میرا مطیع ہے اور کون نہیں؟ تو وہ عبادت کے لائق ہوگا؟ عبادت کے لائق وہ ہے جو علیم وخبیر ہو: ﴿ أَلَا يَعْلَمُ مَنْ خَلَقَ ﴾ ''وہ پیدا کرنے والا ہے جو پیدا کرنے سے پہلے بھی جانتا ہے'' کہ میں کیا چیز پیدا کر رہا ہوں پیدا کرنے کے بعد بھی جانتا ہے کہ میں نے کیا چیز پیدا کی۔ اس کے انجام کو بھی جانتا ہے کہ اس کا نتیجہ کیا ہوگا۔ تو اول سے لے کر آخیر تک جس کے سامنے سارا علم حاضر ہے وہی عبادت کے لائق ہے، تو سارے انبیاء علیہم السلام نے ایک ہی چیز کی تعلیم دی اور وہ توحید ہے۔

تکمیلِ توحید...... اور توحید کے لئے البتہ نبوت کا ماننا ضروری ہے۔ اس کے بغیر توحید مکمل نہیں ہوتی۔ اس واسطے کہ توحید کے معنی ہیں کہ ایک کو کرتا دھرتا مانو، ایک ہی کی رضا حاصل کرو ایک ہی کی مرضیات پر چلو، اور اس کی نامرضی چیزوں سے بچو، جس سے وہ خوش ہے اسے قبول کرو یہی دین کا حاصل نکلے گا کہ مرضیات خداوندی کے مطابق عمل کرو اور نامرضیات سے الگ رہو، جس کا حکم دیا ہے اس کو مانو جس سے روک دیا ہے اس سے بچو تو مرضی اور نامرضی کو پالینا یہی فی الحقیقت دین کی روح ہے۔ لیکن آپ جانتے ہیں کہ کسی کی مرضی اس کے بتلائے بغیر سمجھ

میں نہیں آسکتی۔ دو حقیقی بھائی ایک ماں کے پیٹ سے پیدا ہونے والے سینے سے سینہ ملا کر بیٹھ جائیں تو ایک کے دل کے بات دوسرے کے دل میں نہیں آئے گی، جب تک کہ دوسرا زبان سے ظاہر نہ کرے کہ میں فلاں چیز سے خوش ہوں اور فلاں چیز سے ناخوش ہوں۔ تو حقیقی دو بھائی جو ایک جنس اور ایک نوع ہیں ایک ماں باپ کی اولاد ہیں، ایک ماں کے پیٹ میں پیر پھیلائے ایک کے دل کی خبر دوسرے کے دل میں نہیں آتی۔ جب تک بتلانے والا خود نہ بتلائے۔ تو اللہ رب العزت جو نور مطلق ہیں اور انسان جو ظلمت محض ہے بلا بتلائے آدمی کے اندر کیسے آجائے گا جب تک وہ خود نہ بتلائے۔ تو اللہ رب العزت جو نور مطلق ہیں اور انسان جو ظلمت محض ہے وہ وراء الورراء اور یہ سافل در سافل کوئی نسبت بندے کو خدا سے نہیں، اس کی مرضیات کا عمل بلا بتلائے آدمی کے اندر کیسے آجائے گا جب تک وہ خود نہ بتلائے کہ میں فلاں چیز سے خوش ہوں، فلاں چیز سے ناخوش ہوں فلاں چیز کو ترک کردو، اور فلاں کو اختیار کرو، یہ میرا قانون اور آرڈر ہے۔

اب ایک تو صورت یہ ہے کہ اللہ میاں خود گھر گھر کہتے پھریں کہ میں فلاں چیز سے خوش ہوں فلاں چیز سے ناخوش ہوں ایک ایک گھر میں خود آئے اور اطلاع دی لیکن یہ اس کی شان اقدس کے لائق نہیں، دنیا کے معمولی بادشاہ جنہیں ہم بادشاہ بناتے ہیں خود ان کی بادشاہت ذات کی نہیں ہے، ہم نے ووٹ دیا تو بادشاہ بن گئے، ووٹ نہ دیں بادشاہ نہیں۔ لیکن بادشاہ بن جانے کے بعد بادشاہ کو بھی اس سے عار آتا ہے کہ وہ رعیت کے گھر گھر جا کر اپنے قانون کو پہنچائے کہ دیکھو میں اس سے خوش ہوں اور اس سے ناخوش ہوں وہ اپنے وزیر اعظم کو مقرر کرتا ہے، وزیر اعظم گورنروں کو مقرر کرتا ہے گورنر کمشنروں کو مقرر کرتے ہیں اور تحصیلدار ایک بھنگی کو بلا کر کہتا ہے کہ منادی کردو کہ بادشاہ کا حکم یہ ہے تو پھر رعیت کے دل میں آتا ہے، تو جب دنیا کے بادشاہ جنہیں ہم ہی بناتے ہیں انہیں غیرت آتی ہے کہ گھر گھر جائیں اور قانون کی منادی کریں تو اللہ رب العزت تو بادشاہوں کا بادشاہ ہے اس کی جناب کے لائق کہاں ہے کہ وہ گھر گھر میں آکے خود فرمائیں، وہ اپنے وزراء کو مقرر کرتا ہے وہ وزراء انبیاء علیہم السلام ہیں جن کے قلوب پر اپنی وحی اتارتا ہے، وحی کے ذریعے اطلاع دیتا ہے۔

یہ میرا قانون ہے، میں یکتا اور بے مثل ہوں، وحی سے حضرات انبیاء علیہم السلام نے جان لیا کہ ہمارا مالک ایک ہے اور یہ اس کی شان ہے۔ فرمایا گیا: ﴿ اِنَّنِیۡۤ اَنَا اللّٰہُ لَاۤ اِلٰہَ اِلَّاۤ اَنَا فَاعۡبُدۡنِیۡ ﴾ ① ”موسیٰ علیہ السلام کے قلب پر وحی فرمائی کہ میں اللہ ہوں۔ میرے سوا کسی کی عبادت نہ کرو“۔

اپنی شان بیان فرمائی کہ: ﴿ لَیۡسَ کَمِثۡلِہٖ شَیۡءٌ ۚ وَ ہُوَ السَّمِیۡعُ الۡبَصِیۡرُ ﴾ ② ”میری مانند کوئی نہیں، کوئی مجھ جیسا نہیں۔ نہ میرا کوئی جسم ہے نہ میرا کوئی ضد ہے نہ کوئی ند اور شریک ہے“۔ ﴿قُلۡ ہُوَ اللّٰہُ اَحَدٌ ﴾ ③ ”کہہ دو اے پیغمبر! اللہ یکتا ہے“۔ ﴿ اَللّٰہُ الصَّمَدُ ﴾ ”اللہ صمد ہے“۔

① پارہ: ۱۶، سورۃ طٰہٰ، الآیۃ: ۱۴۔ ② پارہ: ۲۵، سورۃ الشوریٰ، الآیۃ: ۱۱۔ ③ پارہ: ۳۰، سورۃ الاخلاص: ۱۔

صمد کے معنی یہ ہیں کہ سارے اس کے محتاج ہیں اور وہ کسی کا محتاج نہیں ہے۔ زندگی نہیں مل سکتی جب تک ادھر رجوع نہ کرے موت نہیں آسکتی جب تک وہی موت نہ دے۔ ہم باقی نہیں رہ سکتے جب تک وہ باقی نہ رکھے۔ ہر چیز اس کے قبضہ قدرت میں ہے تو ہم اپنی موت وحیات اور حدوث وبقاء میں محتاج ہیں لیکن اللہ کسی کا محتاج نہیں اس کا وجود اپنا ہے وہ کہیں وجود مانگنے نہیں گیا۔ اس کی قدرت اپنی ہے، اس نے دوسروں سے قدرت نہیں مانگی۔ اس کا علم اپنا ہے اس نے دوسروں سے کب کہا تھا کہ مجھے علم دے دو۔

استحقاقِ عبودیت...... علم وقدرت اس کی اپنی صفات ہیں اس کے علم کا کچھ سایہ ہم پر پڑ جائے تو ہم بھی عالم کہلانے لگ جائیں، اس کی قدرت کی پرچھائیں پڑ جایں تو ہم اور آپ بھی قادر کہلانے لگ جاتے ہیں، کہ ہمیں بھی کچھ قدرت اور بس حاصل ہے، تو اصل میں قدرت والا ایک ہے، جس پر وہ اپنی قدرت کا نور فائز کردے اس میں قدرت آجاتی ہے، جس پر اپنا علم ڈالدے وہ عالم کہلانے لگتا ہے، جس پر اپنے اخلاق کا رنگ ڈال دے وہ درویش کہلانے لگتا ہے، عطا اور جود سب اس کی طرف سے ہے خود کسی کی ذات کے اندر کچھ نہیں۔ قرآن کریم میں فرمایا گیا کہ انسان کی ذات کوری ہے نہ اس میں علم ہے نہ قدرت ہے نہ کوئی اور کمال ہے کمالات کو قبول کرنے کی صرف استعداد اور صلاحیت ہے، مگر پیدائشی طور پر ماں کے پیٹ سے کوئی کمال لے کر نہیں آتا چناں چہ ارشاد ہے: ﴿ واللّٰهُ اَخرَجَكُم مِّنۡ بُطُوۡنِ اُمَّهٰتِكُمۡ لَا تَعۡلَمُوۡنَ شَيۡـًٔا وَّ جَعَلَ لَكُمُ السَّمۡعَ وَالۡاَبۡصَارَ وَالۡاَفۡـِٕدَةَ لَعَلَّكُمۡ تَشۡكُرُوۡنَ ﴾ ① ”ہم نے تمہاری ماؤں کے پیٹ سے تمہیں نکالا۔ اس حالت میں کہ ذرہ برابر تم علم نہیں رکھتے تھے، پیدا شدہ بچہ مضغہ گوشت ہوتا ہے، نہ اس کو اچھے کی خبر نہ برے کی خبر، نہ سیاہ کی تمیز نہ سفید کی، کوئی امتیاز اور علم نہیں تو ماں کے پیٹ سے لاعلم پیدا ہوتا ہے“۔ یہ انسان کی ابتداء ہے۔ اور فرماتے ہیں کہ انتہا کیا ہے؟ اس کے بارے میں فرمایا: ﴿مَنۡ يُّرَدُّ اِلٰۤى اَرۡذَلِ الۡعُمُرِ لِكَيۡلَا يَعۡلَمَ بَعۡدَ عِلۡمٍ شَيۡـًٔا﴾ ② ”انجام کار ہم تمہیں ایسی رذیل عمر کی طرف لوٹا دیتے ہیں کہ عالم ہونے کے بعد تم پھر جاہل بن جاتے ہو“۔

نوے سو برس کی عمر ہوگئی آج آنکھوں نے جواب دے دیا تو جو دیکھ کر علم حاصل ہوتا تھا اس کے راستے بند ہوگئے کانوں نے جواب دے دیا۔ ثقل سماعت پیدا ہوئی تو سن سن کے جو علم حاصل ہوتا تھا وہ راستہ ختم ہوا۔ اب کچھ حافظے میں محفوظ تھا، کچھ پہلی معلومات جمع تھیں۔ مگر پچھلی عمر میں حافظہ بھی کمزور ہوجاتا ہے تو پچھلی معلومات بھی ختم ہوئیں۔ تو اگلی معلومات کا راستہ بند ہوگیا اور پچھلی معلومات نسیان کی نذر ہوگئیں نتیجہ آگے واضح ہوگیا تو جیسے کورے آئے تھے ویسے ہی کورے چلے گئے، تو حق تعالیٰ شانہٗ نے بتلا دیا کہ تمہاری ذات میں کوئی علم نہیں جب ہم نے چاہا ڈال دیا، اور جب چاہا نکال دیا، اگر یہ چیزیں تمہاری ذات میں ہوتیں تو پیدائشی طور پر تم عالم ہوتے اور مرتے دم تک عالم رہتے لیکن ذات میں نہیں ہے تو ہماری دین سے آتی ہیں۔ غرض ہمارا وجود، علم اور قدرت سب اسکی دی

① پارہ: ۱۴، سورۃ النحل، الآیۃ: ۷۸۔ ② پارہ: ۱۴، سورۃ النحل: الآیۃ: ۷۰۔

ہوئی ہیں۔ تو اسی کے سامنے جھکیں گے جس نے دی ہیں۔ دوسروں نے دی نہیں تو دوسروں کے آگے کیسے جھکیں گے؟ تعظیم و توقیر الگ چیز ہے مگر عبادت نہیں کریں گے ذلت اختیار نہیں کریں گے، تو حق تعالیٰ نے فرمایا کہ یہ سب ہماری دین ہے۔ یہ انسان کی حالت ہے کہ نہ پیدائشی طور پر اس میں علم ہے نہ اخلاقی کمالات ہیں، اور جتنے ہوں آخیر میں وہ بھی چھن جاتے ہیں، مثل مشہور ہے کہ بچہ اور بڑا ایک بن جاتا ہے۔ یعنی جیسے بچہ معصوم اور دسروں کے ہاتھوں میں ہے وہ بھی دوسروں کے ہاتھوں میں ہوتا ہے۔ چل نہیں سکتا جب تک کوئی چلانے والا ہو، بیٹھ نہیں سکتا جب تک اس کو حرکت نہ دیں، غرض بالکل بچہ کی طرح دوسروں کے ہاتھ پڑ جاتا ہے، پھر اس پر معصومیت طاری ہو جاتی ہے تو واضح ہوا کہ انسان کی ذات کوری ہے، اس میں کچھ نہیں، جب انسان کی ذات کوری ہے تو انسان عبادت کے لائق نہیں بن سکتا، جو اپنی ذات سے جاہل ہو وہ معبود کیسے بن جائے، معبود کی شان یہ ہے کہ وہ عالم ہو۔

جب انسان معبود نہیں بن سکتا تو اور تو تمام انسان کے نیچے ہی نیچے ہیں تو کیا جانور معبود بنیں گے جو انسان کے نیچے ہیں، کیا آگ پانی معبود بنیں گے جن کو انسان خود عدم سے نکالتا ہے، دیا سلائی کھینچی تو آگ آگئی، پاؤں سے روند دی تو آگ ختم ہوگئی تو یہ آگ معبود بنے گی؟

جب انسان معبود نہیں تو ساری چیزیں انسان کے نیچے ہی نیچے ہیں وہ انسان کی خادم ہیں وہ کیسے معبود بن سکتی ہیں؟ ایک ذات سب کی معبود ہے اور ایک یہی کرتا دھرتا ہے۔ یہی انبیاء علیہم السلام بھی تعلیم دیتے ہیں تو انبیاء علیہم السلام ساری دنیا اور سارے ملکوں میں آئے اور ایک ہی چیز لے کر آئے۔

اختلاف مذہب کے اسباب...... اور ابتداء میں سارے انسان ایک ہی دین پر تھے، لیکن جوں جوں لوگوں نے اپنی عقلیں چلائیں تو دین کے اندر فتنے پیدا ہوتے گئے اگر محض اتباع کرتے کہ جو اللہ کے رسول نے لا کر دے دیا اس پر آنکھ بند کر کے چلتے، کوئی نزاع نہ ہوتا۔ نزاع جب ہوتا ہے جب اوپر سے آئی ہوئی چیزوں میں آدمی عقلیں لڑائیں اور عقلی ڈھکوسلوں سے عقیدے بنانا شروع کریں یہیں سے آدمی کے اندر خلل پیدا ہونا شروع ہوتا ہے۔

اس طرح کبھی انتہائی محبت سے عقیدہ بگڑتا ہے کہ کسی ذات سے انتہائی محبت اور عقیدت ہے اس کو اتنی بڑائی دی کہ اس کو خدائی کے درجہ تک پہنچا دیا۔ کبھی انتہائی عدوات سے عقیدہ بگڑتا ہے، کہ کسی سے عداوت ہوئی کہ فلاں پر نام لے کر لعنت بھیجنی شروع کر دو، نام لے کر برا کہو۔ اس کا بھی ایک غلو ہے، تو کبھی غلو عداوت میں اور کبھی غلو محبت میں عقیدے بگڑتے ہیں، جیسا کہ حدیث میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ: ''اے علی! تمہارے بارے میں بعض لوگ محبت کی وجہ سے تباہ ہوں گے اور بعض عداوت کی وجہ سے''۔

بعض لوگوں نے انتہائی محبت کی کہ حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو خدا تک کہا اور کہا کہ یہ خدا کا مظہر ہیں، اور اتنی انتہائی عقیدت کی کہ ان کے سامنے جھکے جیسے خدا کے آگے، یہ غلو محبت میں ہلاک ہوئے، اور رفض کا قصہ چلا۔ اور خوارج ان کی عداوت میں ہلاک ہوئے کہ ان کو مسلمان تک بھی نہ مانا، ان کا تبرا شروع کیا معاذ اللہ ان پر لعنت

بھیجنی شروع کی، تو بعض محبت میں اور بعض عداوت میں غلو سے تباہ ہوئے۔

یا جیسے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ذات بابرکات کہ نصاریٰ ان کی محبت میں تباہ ہوئے کہ ان کو اللہ کہا، اللہ کا بیٹا کہا خدائے مجسد کہا کہ ایک نورانی خدا ہے ایک جسمانی خدا ہے، نورانی خدا اوپر ہے جسمانی خدا نیچے ہے جو حضرت عیسیٰ علیہ السلام ہیں ان کے لئے علم غیب اور قدرت ثابت کی اور سارے وہ اوصاف جو اللہ کے لئے ہیں ان کے لئے ثابت کئے تو غلو محبت میں عقائد تباہ کئے۔ اور یہود عداوت میں برباد ہوئے حتیٰ کہ ان کے بارے میں کہا کہ یہ وَلَدِ غَیًّا ہیں۔ بازار والے آدمی یوسف نجار سے پیدا ہوئے اور حضرت مریم علیہا السلام پر انہوں نے تہمت لگائی۔

بہرحال عقائد میں ان دو چیزوں سے خلل پڑتا ہے اور کبھی عقل لڑانے سے اس لئے کہ اللہ کی بھیجی ہوئی چیز ہو اس میں عقل کی گنجائش نہیں۔ مثلاً قرآن کریم یا حدیث میں فرمایا گیا کہ عذاب قبر برحق ہے اور وہ اپنی جگہ ہوتا ہے۔ اب لوگوں نے عقل لڑائی کہ ہم نے قبر کھود کر دیکھی ہمیں تو اس میں عذاب نظر آیا نہیں، وہاں تو ایک لاش پڑی ہوئی تھی وہاں نہ کوئی آگ تھی نہ سانپ نہ بچھو۔ تو ہم اس عقیدے کو کیوں مانیں، عقل لڑائی تو عقیدہ بگڑ گیا۔

حدودِ عقل...... حالانکہ یہ عمل سے بالاتر چیز ہے، وہ دوسرے عالم کی چیز ہے، لاش پڑی ہوئی ہو اور سب کچھ گزر رہا ہو ممکن ہے کہ آپ کو نظر نہ آئے۔ آپ ایک سوتے ہوئے آدمی کو دیکھیں کہ وہ خواب دیکھ رہا ہے کہ میں بادشاہ بن گیا ہوں۔ تخت سلطنت پر بیٹھا ہوا ہوں اور میرے سامنے ہزاروں غلام خدام کھڑے ہیں، اور فوجیں سلامیاں دے رہی ہیں۔ مگر آپ یہ دیکھ رہے کہ یہ پڑا ہوا سو رہا ہے، نہ وہاں حشم و خدم ہیں نہ سپاہی اور اس پر سب کچھ گزر رہی ہے مگر آپ کو نظر نہیں آ رہا۔ اس لئے کہ وہ ایک دوسرے عالم، عالم مثال سے گزر رہا ہے، روح نیند کے وقت نکل کر اس عالم میں پہنچی تو وہاں وہ سب کچھ دیکھ رہی ہے۔ آپ کی آنکھ نہیں دیکھ سکتی۔

جب وہ خود سویا ہوا اٹھ کر بیان کرے کہ میں نے یہ خواب دیکھا آپ اس کی تصدیق کریں گے، تو خواب میں اس نے لذت و راحت بھی اٹھائی اور عزت بھی پائی آپ کو کچھ نظر نہیں آیا، مگر آپ نے یقین کیا۔ تو جیسے ایک سونے والے پر سب کچھ گزر رہی ہے مگر آپ کو کچھ نظر نہیں آتا تو حدیث میں ہے کہ: ''اَلنَّوْمُ اُخْتُ الْمَوْتِ'' ''نیند موت کی بہن ہے''۔

تو جو چیز نیند میں گزرتی ہے وہ موت کے بعد بھی گزر سکتی ہے، فرق اتنا ہے کہ قبر میں عذاب ہو رہا ہے، آپ کو ایک لاش نظر آ رہی ہے مگر اس پر سب کچھ گزر رہی ہے اس کی دوسرے کو اطلاع نہیں، جو دوسرے پر گزر رہی ہو۔

یا ایک چارپائی پر دو آدمی سو رہے ہوں، ایک خواب دیکھ رہا ہے کہ میں بادشاہ بن گیا ہوں ایک خواب دیکھ رہا ہے کہ سپاہی مجھے ڈنڈے مار کر جیل خانے میں لے جا رہے ہیں، ایک خواب میں ہنس رہا ہے اور ایک رو رہا ہے مگر ایک کو دوسرے کی خبر نہیں جو اس پر گذر رہی ہے اس کی دوسرے کو اطلاع نہیں، جو دوسرے پر گزر رہی ہے اس کی دوسرے کو خبر نہیں حالانکہ ملے ہوئے ایک چارپائی پر لیٹے ہوئے ہیں۔ اسی طرح اگر ایک قبر میں دو مردوں کو دفن

کر دیں ایک اللہ کا مطیع ہے ایک مجرم ہے۔ایک خواب دیکھ رہا ہے کہ قبر میں بہترین نعمتیں میرے سامنے ہیں، اور ایک دیکھ رہا ہے کہ بدترین عذاب میرے اوپر ہے اس کی اسے خبر نہیں، اس کی اسے خبر نہیں اور آپ دیکھیں گے کہ دو لاشیں پڑی ہوئی ہیں نہ نعمت ہے نہ عذاب ہے۔

جب دنیا میں اللہ نے ایک نظیر رکھ دی ہے، اس میں جب نعمتیں اور مصیبتیں گزرتی ہیں تو مرنے کے بعد اگر قبر میں راحت، اور مصیبت گزرے، عذاب اور ثواب ہو تو اس میں کون سے تعجب کی بات ہے دنیا میں اس کی نظیر موجود ہے۔لیکن اگر عقل لڑائیں گے تو عقیدہ بگڑ جائے گا، اس لئے کہ عقل کا وہاں کام نہیں۔عقل ہوا مٹی آگ پانی کے اس دار فانی میں کام کرنے کے لئے ہے یہاں کی چیزوں میں عقل چلے گی۔ یہاں کی عقل سے وہاں کی چیزوں میں کام لینے لگیں تو وہاں یہ نہیں چلے گی۔

امور غیبیہ اور عقل ...... یہ بالکل ایسا ہے جیسے ترازو جو پیتل کی چھوٹی سی ہوتی ہے، اس پر سونا اور چاندی تلتا ہے۔ایک ذرا بڑی ہوتی ہے اس میں حلویٰ تلتا ہے، ایک اس سے بڑی ہے اس میں ایندھن اور سوختہ تلتا ہے اور ایک اتنی بڑی ہے کہ اس میں ہزاروں ٹن کا ریل کا ڈبہ تلتا ہے کہ اس میں اتنے ٹن وزن ہے، دس ہزار ٹن کا ایک جہاز ہے اس میں ایک مشین لگی ہوئی ہے، تو کانٹا بتلا دیتا ہے کہ اتنے ہزار ٹن کا جہاز ہے، اب اگر جہاز کو کانٹے پہ تولنے لگیں تو کیا تل جائے گا؟ ایندھن تولنے کے ترازو پر آپ ریل کے ڈبے کو رکھ دیں تو کیا وہ تل جائے گا؟ حالاں کہ یہ بھی ترازو ہے وہ بھی ترازو ہے، مگر یہ ترازو سونا تولنے کی، یہ گیہوں تولنے کی اور یہ ترازو لکڑیاں تولنے کی ہے۔اور یہ ترازو ریل کا ڈبہ تولنے کی ہے ہر ترازو میں وہی چیز تلے گی جس کے لئے وہ بنائی گئی ہے، یہ نہیں ہو سکتا کہ چھوٹی ترازوؤں میں بڑی چیز تلنے لگے۔تو عقل بھی ایک ترازو ہے مگر اس میں محسوسات تولے جاتے ہیں، وجدان اور وحی بھی ایک ترازو ہے جس میں غیبی امور تولے جاتے ہیں، باطن بھی ایک ترازو ہے جس کے اندر قبر کا عذاب اور ثواب تولا جاتا ہے، اب اگر آپ آنکھ سے قبر کا عذاب اور ثواب تولنے لگیں تو یہ ایسا ہی ہے جیسے سونے تولنے کے کانٹے میں ریل کے ڈبے کو تولنے لگیں، وہ نہیں تلے گا بلکہ وہ ترازو ہی ختم ہو جائے گا، تو اگر عقل پر غیبی امور کا بوجھ ڈال دیا جائے تو وہ سسک کر مر جائے گی فیصلہ ان کا کیا کرے گی؟ تو آپ دنیا کی ترازو سے آخرت کی چیزیں تولنے لگیں تو وہاں عقل کیا کام کرے گی؟ یہ ایسے ہی ہے کہ جیسے سونے تولنے کی ترازو میں آپ لکڑی تولنے لگیں وہ نہیں تلیں گی۔بہر حال کبھی عقائد میں عقل لڑانے سے بگاڑ آتا ہے کہ عقائد غیب کی چیزیں ہیں عقل وہاں کام نہیں کرتی گویا آپ نے عقل کے کانٹے میں عقیدے کو تولنا شروع کر دیا۔

حدودِ ادراک ...... دنیا کے اندر آنکھ کا کام نظر ہے کہ صورتیں دیکھے اور رنگ دیکھے، آپ یوں کہیں کہ میں آنکھ سے خوشبو سونگھوں، نہیں سونگھ سکتے، اس کے لئے ناک ہی کام دے گی۔ناک خوشبو سونگھتی ہے آپ ناک کے ذریعے کسی چیز کو دیکھنا چاہیں کبھی نہیں دیکھ سکتے، کان آوازیں سنتے ہیں، آپ یوں چاہیں کہ کان سے رنگ دیکھ لوں

کبھی نہیں دیکھ سکتے، حالانکہ ایک چہرے میں یہ ساری چیزیں جمع ہیں، آنکھ، ناک، کان، گلہ ان میں انچ انچ بھر کا فاصلہ ہے مگر ایسی سدِ سکندری حائل ہے کہ آنکھ کے دائرے میں کان اور کان کے دائرے میں ناک کام نہیں کرسکتی، اپنے اپنے دائروں میں کام کرتے ہیں۔ تو عقل کا بھی ایک دائرہ ہے اور باطن کا بھی ایک دائرہ ہے اب اگر میں گنگا کے کنارے پر بیٹھ کر معلوم کرنا چاہوں تو مجھے کیا معلوم ہوگا کہ گنگا کے اندر کیا برکت ہے، کون سے نبی آئے تھے کن کے آثار ہیں۔ مولانا محمد یعقوب صاحب رحمۃ اللہ علیہ کو پتہ چل گیا۔ اس لئے کہ باطن کی آنکھ تھی ان پر منکشف ہوگیا کہ واقعی اس پانی میں کچھ برکات کے آثار ہیں، اور پیغمبروں کی طرف نسبت ہے اس لئے قوم کی قوم اس کی عظمت پر لگی ہوئی ہے۔

تو ہر چیز سے اس کے دائرے کی چیزیں تولی جاتی ہیں۔ عقل سے عقلی امور، آنکھ سے، رنگ وصورت، ناک سے خوشبو بدبو اور کان سے آوازیں۔ پھر ہر ایک کا دائرہ الگ الگ ہے۔ تو اسی طرح سے ایک دائرہ وحی خداوندی کا ہے وحی بتلاسکتی ہے کہ قبر کیسی ہے، جنت و دوزخ کیسی ہے۔ پل صراط کیسا ہے۔ میزان عمل "جس میں اعمال تولے جائیں گے" وہ کیسی چیز ہے۔ آپ عقل سے جاننے لگیں گے نہ سمجھ سکیں گے یہ عقل سے بالاتر چیز ہے، جو وحی سے سمجھ میں آئے گی، بہر حال ہر چیز کا ایک دائرہ ہے۔

منبع عقائد..... تو عقیدہ کبھی عقل سے بگڑتا ہے کہ ہے غیر عقلی چیز اس میں عقل لڑانی شروع کی تو یا سچے عقیدہ کا انکار کریں گے یا غلط عقیدہ گھڑلیں گے، دین برباد ہو جائیگا۔ اور کبھی عقیدہ غلو محبت سے بگڑتا ہے کہ اپنے اعتقاد والے بزرگوں سے اتنی محبت بڑھ جائے کہ آدمی فانی بن جائے جو وہ کہیں اسی کو آدمی شریعت سمجھ لے، جو وہ کہیں اسی کا عقیدہ بنالے، کیوں کہ عقیدے شریعت کے ہیں ان میں اس سے بگاڑ پیدا ہوگا اور کہا جائیگا کہ عقیدے پیغمبر سے لئے جائیں گے اولیاء سے عقیدے نہیں لئے جائیں گے، علماء عقیدے بنانے والے نہیں ہیں، مشائخ عقیدہ قائم کرنے والے نہیں ہیں، مشائخ خود پابند ہیں ان عقیدوں کے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے بتلائے ہیں، علماء خود ان عقائد کے پابند ہیں جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ نے ارشاد فرمائے عقیدہ خدا کی خبر سے بنتا ہے، علماء کے کہنے سے عقیدہ نہیں بنتا، لیکن محبت میں ان کے ہر قول و فعل کو آدمی عقیدہ بنالے تو نتیجہ یہ ہوگا کہ شریعت اور دین کے اندر خلل پیدا ہوگا۔

اور کبھی غلو عداوت سے عقیدہ بگڑتا ہے کہ کسی جماعت یا کسی شخص سے عداوت پیدا ہو جائے۔ ضد یا عناد پیدا ہو جائے، اچھی سے اچھی بات بھی کہیں گے، تو یہ غلط کہے گا، اس لئے کہ بدگمانی پہلے قائم کرلی۔ وہ صحیح عقیدہ بھی بیان کریں گے تو غلط کہے گا، نتیجہ یہ ہوگا کہ غلط عقیدے پر قائم ہو جائے گا، اور صحیح عقیدے سے محروم رہے گا تو عقائد کو بگاڑنے والی کبھی عقل ہوتی ہے کہ غیبی امور میں دخل دے۔

ضرورتِ اعتدال..... کبھی محبت کا غلو ہوتا ہے کہ بے جا محبت پیدا کرلے اور کبھی عداوت کا غلو ہوتا ہے کہ بے جا

عداوت پیدا کر لے، اس لئے شریعت نے اعتدال بتلایا۔ عربی کا ایک شعر ہے جس کا ترجمہ ہے: ''اگر کسی سے محبت کرو تو اعتدال سے کرو، افراط کے ساتھ مت کرو، ممکن ہے کہ کل کو دشمنی پیدا ہو جائے کہ آج محبت میں آ کے سارے راز کھول دیئے اور کل کو ہوگئی دشمنی تو خود اس کے ہاتھ میں آ گئے، جدھر چاہے تمہیں لے جا کے پٹخ دے، اب پچھتاؤ گے کہ محبت میں سارے راز میں نے کیوں کھول دیئے''۔ اور فرمایا: کہ کسی سے عداوت کرو تو اعتدال سے کرو ممکن ہے کہ کل کلاں دوست بن جائے، تو عداوت میں آ کر جو برا بھلا کہا ہے کل کو تمہاری آنکھ نیچی ہوگی کہ ہم نے بہت برا بھلا کہا تو کیوں افراط وتفریط سے چلتے ہو، محبت کرو تو اعتدال سے، عداوت کرو تو اعتدال سے، نفس کے جذبے سے نہ محبت ہو نہ عداوت ہو، اس لئے کہ اسلام کی یہی تعلیم ہے۔

کمالِ ایمان...... چنانچہ حدیث میں فرمایا گیا: ''مَنْ اَحَبَّ لِلّٰهِ وَاَبْغَضَ لِلّٰهِ وَاَعْطٰی لِلّٰهِ وَمَنَعَ لِلّٰهِ فَقَدِاسْتَكْمَلَ الْاِیْمَانَ'' ''جس نے محبت کی تو اللہ کے لئے، نفس اور اپنی ذات کے جذبے سے نہیں کی، رضاء خداوندی کے لئے کی، عداوت باندھی تو اللہ کے لیے باندھی، کہ یہ اللہ کا دشمن ہے، مجھے بھی اس سے عداوت ہے۔ یہ اللہ کا دوست ہے میں بھی اس سے محبت کروں، کسی کو دیا تو اللہ کی رضا کے لئے دیا اور کسی سے ہاتھ روکا تو اللہ کے لئے روکا۔ تو عطاء ومنع اور محبت وعداوت سب لوجہ اللہ ہوں تو اس شخص نے ایمان کامل کر لیا''۔ تو کمال ایمان یہ ہے کہ محبت اور عداوت لوجہ اللہ ہوں، ذاتی جذبہ اور غیض کا دخل نہ ہو، دینا اور لینا لوجہ اللہ ہو، محض ذاتی جذبہ نہ ہو کہ فلاں سے محبت ہوگئی تو سب دے ڈالو اور فلاں سے عداوت ہوئی تو روک لو نہیں! بلکہ یہ دیکھو کہ اللہ کے نزدیک اسے دینا پسندیدہ ہے یا نہیں۔ پسندیدہ ہو تو دو اگرچہ نفس نہ چاہیے اور اگر اللہ کے نزدیک دینا پسندیدہ نہیں تو ہرگز نہ دو، اگرچہ نفس دینا چاہے، تو اپنے نفس کو ایک طرف ڈالو، اللہ کی رضا کو مقدم رکھو، تو حاصل ایمان کا یہ ہے کہ۔

زندہ کنی عطائے تو ور بکشی فدائے تو دل شدہ مبتلائے تو ہر چہ کنی رضائے تو

اگر آپ زندہ کریں تو آپ کی عطا ہے زندہ ہونے کو تیار ہیں اور اگر موت دیں تو میں آپ پر فدائی ہو جاؤں گا، دل آپ سے اٹک چکا ہے جو آپ کریں، جس سے آپ راضی اس سے میں راضی ہوں، تو بندے کا کام یہ ہے کہ رضاء خداوندی میں فنا ہو جائے کہ میری رضا کچھ نہیں جو رضاء ہے وہ اللہ کی ہے، میرا لینا دینا اور محبت و عداوت سب اللہ کی رضا کے تابع ہے۔

ممنونیت اِحسان...... اور خود میرے حق میں بھی نفس کے تابع نہیں ہے۔ کسی غلام سے کسی نے کہا تھا کہ تو کیا کھائے گا؟ اس نے کہا جو آقا کھلا دے۔ کیا پہنے گا؟ جو آقا پہنا دے کام کیا کریگا؟ جو آقا کام لے۔ اس نے کہا کہ آخر تیری بھی کوئی مرضی ہے؟ اس نے کہا کہ اگر میری اپنی مرضی ہوتی تو میں غلام ہی کیوں بنتا، میرے غلام بننے کے معنی یہ ہیں کہ اب میری مرضی بھی غلام، میرا ارادہ اور خواہش بھی غلام جو کچھ ہوگا آقا کی مرضی کے مطابق ہوگا۔ وہ کھلا دیں گے تو کھا لیں گے، نہیں کھلائے گا تو نہیں کھائیں گے وہ کام لے تو کام کریں گے، معطل چھوڑ دے تو

معطل ہو جائیں گے، تو ہم اپنے آقا کے تابع ہیں۔

جب ایک انسان، ایک انسان کے ذرا سے احسان کی وجہ سے اتنا تابع ہوتا ہے تو رب العزت تو سارے محسنوں سے برتر محسن ہیں جب اس کا بندہ بنیں تو بندگی کے معنی یہ ہیں کہ ہر چیز اس کے تابع کر دی نہ میری اپنی مرضی نہ اپنی رضا، نہ میرا اپنا ارادہ، جو کچھ ہو وہ آپ کا ہی ہے، یہ شان جب پیدا ہوگی تو کہا جائے گا کہ آج انسان میں بندگی آگئی۔ آج اس کے اندر عبدیت آئی۔

شانِ عبدیت...... اگر اپنا ارادہ اور اپنے عزائم ہیں تو پھر وہ بندہ کیا ہے؟ حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی قدس اللہ سرہ نے اپنے ایک مرید کو خلافت دی اور فرمایا کہ: فلاں جگہ جاؤ اور جا کر دین پھیلاؤ، رخصت ہوتے وقت اس مرید خلیفہ نے عرض کی کہ حضرت مجھے کچھ نصیحت فرمایئے۔

فرمایا: دو نصیحتیں کرتا ہوں: ایک خدائی کا دعویٰ نہ کرنا اور ایک نبی ہونے کا دعویٰ نہ کرنا۔

وہ حیران ہوا کہ حضرت کیا مجھ سے آپ کو یہ توقع تھی کہ میں خدائی کا دعویٰ کر دوں، آپ کا مرید اور آپ کا نائب اور خدائی کا دعویٰ کرے۔ اور کیا آپ کو یہ توقع تھی کہ میں نبی ہونے کا دعویٰ کروں گا۔ یہ تو ادنیٰ مسلمان بھی نہیں کر سکتا۔ چہ جائیکہ آپ کا مرید اور نائب خدائی اور نبوت کا دعویٰ کرے۔

فرمایا: پہلے اس کے معنی سمجھ لو، خدا کے معنی ہیں کہ جو کچھ وہ فرمائیں وہ ہو کر رہے وہ اٹل ہے، اس کے خلاف نہیں ہو سکتا، اگر کوئی بندہ یہ کہے کہ جو میں چاہوں وہی ہوگا، وہ در پردہ خدائی کا مدعی ہے، چاہے زبان کے واسطے سے نہ کہے۔

اور نبی کے معنی یہ ہیں کہ وہ جو فرمادیں، وہی صدق اور حق ہے ممکن نہیں کہ نبی کا کہا ہوا غلط ہو جو آدمی یوں کہے کہ جو میں نے کہا یہی صحیح ہے، اس کے علاوہ سب غلط ہے تو وہ فی الحقیقت نبوت کا مدعی ہے، چاہے زبان سے نہ کہے، اس لئے میں نے کہا کہ نہ خدائی کا دعوی کرنا نہ نبوت کا دعویٰ کرنا۔

انسان جب یہ دعویٰ کرے کہ جو میں کہہ رہا ہوں، اٹل ہے، وہی ہوگا، یہ در پردہ خدائی کا دعویٰ ہے، جو میں کہہ رہا ہوں وہ اٹل ہے، یہ در پردہ نبوت کا مدعی ہے، اسے یوں کہنا چاہئے کہ جو اللہ نے کہا ہے وہی حق ہے، میرا کہا ہوا کوئی چیز نہیں جو اللہ کے رسول نے کہا وہی حق ہے، میرا کہا ہوا کوئی چیز نہیں، جو اللہ چاہے گا وہی ہوگا میرا چاہا ہوا پورا نہیں ہو سکتا: ﴿وَمَا تَشَآءُ وْنَ اِلَّآ اَنْ یَّشَآءَ اللّٰهُ﴾

اگر یوں کہے تو ہے بندہ۔ اور اگر یوں کہے کہ میں جو چاہوں وہی ہوگا تو در پردہ خدائی کا مدعی ہے، جو میں کہہ رہا ہوں وہی حق ہے، باقی سب غلط ہے، یہ در پردہ نبوت کا دعویٰ ہے، یہ تفویض اور عبدیت کے خلاف ہے، بندگی کے یہ معنی ہیں کہ جو کہا جائے یا کیا جائے وہ اس کی رضاء کے لئے ہو، حتیٰ کہ ہر نقل و حرکت اس کی رضا کے لئے ہو۔ جیسے مولانا رومی نے فرمایا: ''اے اللہ اگر آپ ہمیں علم دیں اور ہم علم کے میدان میں آئیں تو آپ کے محل اور ایوان و قصر میں

داخل ہوگئے، اور اگر آپ جہالت میں رکھیں تو آپ کے جیل خانے میں داخل ہیں، آپ کے بندے علم میں لے آئیں تو آپ کے محل میں داخل ہوگئے اور اگر جیل میں لے آئیں تو آپ کے جیل خانے میں داخل ہوگئے"۔

اگر آپ سلا دیں تو ہم بے بس ہیں اور اگر آپ بیدار رکھیں تو آپ کے ہاتھ میں ہیں نہ خواب ہمارے نہ بیداری ہماری، جو کچھ دیا ہوا ہے وہ آپ کا ہے، تو بندگی کے یہ معنی ہیں کہ جو کچھ ادھر کا منشاء ہو اس کی آدمی تابعداری کرے۔ جب آدمی اپنی بات چلائے، عقل چلائے، غلو محبت یا غلو عداوت چلائے تو در پردہ الوہیت و نبوت کا مدعی ہے۔ اس کا کام یہ ہے کہ اللہ کے آستانے کے آگے جھکے توحید کے معنی ہی یہ ہیں کہ دل سے بھی ایک ہی کو یکتا اور کرتا دھرتا سمجھے اور عمل سے بھی ایک ہی کی طرف جھکے۔

اقسامِ توحید...... اسی لئے شریعت اسلام نے توحید دو قسم کی بتلائی ہے، ایک توحید اعتقادی یعنی اعتقاد بھی یہ کہ ایک ہی اللہ ہے جو معبود ہے، وہی علیم و خبیر ہے اور رحمٰن و رحیم، وہی آقا وہی مالک ہے، یہ عقیدہ ہے، عملاً یوں جھکایا کہ زندگی کا کوئی موڑ نہیں ہے جس میں اللہ کی طرف نہ جھکایا ہو اگر آپ سونے کے لئے لیٹیں، حدیث میں حکم ہے کہ دعاء پڑھو: "بِاسْمِکَ اللّٰھُمَّ اَمُوْتُ وَاَحْیٰی"۔ "اے اللہ! تیرے ہی نام پر مر رہا ہوں اور تیرے ہی نام پر صبح کو زندہ ہوں گا"۔ یہ بھی ایک مجازی موت ہے، اللہ کے نام پر خاتمہ ہونا چاہئے، جب آپ جاگے تو پھر شریعت متوجہ ہوئی کہ پھر اللہ کی طرف متوجہ ہوں۔ اور کہیں: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَحْیَانَا بَعْدَمَآ اَمَاتَنَا وَاِلَیْہِ النُّشُوْرُ" ① "حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے موت کے بعد پھر مجھے زندگی بخشی، اور اسی کی طرف ہمیں لوٹ کے جانا ہے"۔

آفتاب طلوع ہو تو فرمایا: اللہ کی طرف توجہ کرو اور یہ دعا کرو: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ جَلَّلَنَا الْیَوْمَ عَافِیَۃً" ② "حمد ہے اس اللہ کے لیے جس نے سورج کو چمکا دیا، جس نے سورج کے ذریعے ہمارے کام آسان کئے"۔ جب غروب آفتاب ہو پھر فرمایا کہ: اللہ کی طرف متوجہ ہو اور یہ پڑھو: "اَللّٰھُمَّ ھٰذَا اِقْبَالُ لَیْلِکَ وَاِدْبَارُ نَھَارِکَ وَاَصْوَاتُ دُعَاتِکَ فَاغْفِرْلِیْ" ③ "اے اللہ! تیرے سورج کے جانے کا وقت ہے اور تیری رات کے آنے کا وقت ہے اور تیرے منادی نداء کر رہے ہیں کہ دوڑو نماز کی طرف، ایسے وقت میری مغفرت فرما"۔

غرض زندگی کا کوئی موڑ آئے شریعت نے فوراً متوجہ کیا ہے، کہ توجہ الی اللہ کرو تاکہ توحید میں خلل نہ پڑے، ایسا نہ ہو کہ تم سورج کو کرتا دھرتا سمجھ لو، ایسا نہ ہو کہ تم روشن دن کو یہ سمجھ لو کہ یہ ہمارا کام چلانے والا ہے، ایسا نہ ہو کہ رات کو تم موت دینے والی سمجھ لو کہ رات آگئی تو مر گئے سو گئے، نہ دن زندگی دیتا ہے نہ رات، جس نے رات اور دن بنائے وہی زندگی اور موت کا مالک ہے، لہٰذا بستر پر جا کر کہو: "اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ الَّذِیْ اَطْعَمَنَا وَسَقَانَا وَکَفَانَا مکم ممن لا کافی له

① الصحیح للبخاری، کتاب الدعوات، باب وضع الید الیمنیٰ تحت الخد الایمن، ۵/ ۲۳۲۷ رقم: ۵۹۵۵۔

② عمل الیوم و اللیلة لابن سنی، ج: ۱ ص: ۲۷۷۔

③ السنن للترمذی، کتاب اللاعوات، باب دعاء ام سلمة، ج: ۱۲، ص: ۱۴۔

ولا مــؤوی" ① ''حمد ہے اس اللہ کے لئے جس نے ہمیں کھلایا جس نے ہمیں پلایا جس نے ہمیں ٹھکانا دیا'' تا کہ ادھر توجہ نہ ہو کہ یہ کھانا کھانا زندگی کا بڑا سبب ہے، کھانے نے ہمیں زندہ رکھا ہے، کھانا کیا چیز ہے؟ فاقہ مست بھی زندہ رہتے ہیں، زندگی ایک اللہ کے ہاتھ میں ہے روٹی میں زندگی نہیں ہے تو روٹی کے وقت متوجہ کیا، کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ روٹی کو خدا سمجھ بیٹھیں، اس کو خدا سمجھیں جس نے روٹی عطا کی، تو کھانا شروع کرو تو کہو بِسْــمِ اللهِ اللہ کے نام سے شروع کرتا ہوں، ختم کرو تو کہو "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ" کثیرا بہت تعریف میرے پروردگار کے لئے ہے، جس نے کھلایا۔

حدیث میں فرمایا گیا کہ: اگر "بِسْمِ اللّٰهِ" سے کھانا شروع کرے اور "اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ كَثِيْرًا". پر ختم کرے "غُفِرَ لَهٗ مَاتَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهٖ" اس کے پچھلے چھوٹے گناہ سب بخش دیئے جاتے ہیں، اس کی فضیلت بیان فرمائی۔ تو حاصل یہ ہے کہ زندگی کا کوئی موڑ ایسا نہ ہوگا جس میں توجہ الی اللہ نہ ہو۔ استنجا کیلئے جاؤ تو دعاء بتلائی گئی: اَللّٰهُمَّ اِنِّیْٓ اَعُوْذُبِکَ مِنَ الْخُبُثِ وَالْخَبَآئِثِ ② ''اے اللہ! میں ناپاک چیزوں سے آپ کی پناہ مانگتا ہوں''۔ شیطان ہو یا کچھ اور ہو میں پناہ مانگتا ہوں۔

اور جب استنجاء کر کے نکلو پھر اللہ کو یاد کرو، اور کہو۔ ''اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ الَّذِیْٓ اَذْهَبَ عَنِّی الْاَذٰی وَعَافَانِیْ'' ③ ''حمد ہے اس اللہ کیلئے جس نے اذیت کی چیزیں مجھ سے دور کر دیں اور اب میں اس کی عبادت کے لئے تیار ہو گیا اور میرے قلب میں نشاط پیدا ہو گیا''۔

تو آدمی یوں نہ سمجھ جائے کہ استنجاء کرنا درحقیقت صحت ہے، میری صحت استنجاء کے ہاتھ میں ہے، قبض ہوگی تو بیمار ہوں، قبض نہیں ہوگی تو بیمار نہیں رہا، گویا قبض وبسط کے ہاتھ میں میری زندگی ہے، تو اس سے بچانے کیلئے کہا کہ اللہ کی طرف متوجہ ہو جاؤ تو سونے جاگنے، استنجاء کرنے اور فارغ ہونے میں، سورج نکلنے اور غروب ہونے میں، دن کے آنے اور جانے میں اور اسی طرح گھر کے باہر نکلنے میں بھی کہ وہاں بھی متوجہ کیا کہ اب تم کام کاج کے لئے جارہے ہو تو اللہ کی طرف توجہ کرو اور کہو: ''بِسْمِ اللّٰهِ اٰمَنَّا بِاللّٰهِ. تَوَكَّلْنَا عَلَى اللّٰهِ لَاحَوْلَ وَلَاقُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ'' ④ ''میں اللہ کے نام سے نکل رہا ہوں، میں اللہ پر ایمان لاچکا ہوں میں نے اللہ پر بھروسہ کرلیا ہے کہ جو کچھ پیش آئے گا، اس کی تقدیر سے پیش آئے گا، کوئی مجھے نقصان پہنچانے والا بجز ایک اللہ کے نہیں ہے''۔

اسی طرح گھر میں داخل ہو تو فوراً دعاء کرو: ''بِسْمِ اللّٰهِ وَلَجْنَا وَبِسْمِ اللّٰهِ خَرَجْنَا وَعَلَى اللّٰهِ

---

① الصحيح لمسلم، كتاب الذكر والدعاء والتوبة والاستغفار، باب مايقول عند النوم واخذ المضجع ج:١٣ ص:٢٤١. صحيح ابن حبان، كتاب الزينة والتطييب، باب آداب النوم، ج:٢٣، ص:١٠٣.

② الصحيح للبخاري، كتاب الوضوء، باب الدعاء عند الخلاء، ج:٥، ص:٢٣٣٠.

③ سنن ابن ماجه، كتاب الطهارة وسننها، باب ما يقول اذا خرج من الخلاء، ج:١ ص:١١٠، رقم:٣٠١.

④ السنن لابی داؤد، کتاب الادب، باب مايقول اذا خرج من بيته، ج:١٣، ص:٢٩٠. حدیث صحیح ہے۔ دیکھئے: صحيح ابی داؤد، ج:١١ ص:٩٥ رقم ٥٠٩٥.

رَبِّنَاتَوَ کَّلْنَا''. " اللہ ہی کے نام سے ہم گھر میں داخل ہورہے ہیں، اور اللہ ہی کے نام سے نکلیں گے، اور ہمیں تو اللہ پر بھروسہ ہے" کسی غیر اللہ پر ہمیں بھروسہ نہیں ہے تا کہ یہ نہ سمجھ لیا جائے، کہ آرام دینے والا یہ گھرانہ ہے، گھرانے آدمی سے چھنتے رہتے ہیں، آج بڑی جائیداد اور کئی گاؤں کا مالک، لیکن کل کو غریب بن گیا، تو وہ خدا نہیں ہے وہ دینے والا نہیں ہے، وہ اسباب کے درجہ میں ہے۔

غرض ہر موقع پر اللہ کی طرف توجہ کرائی ہے۔ تو ایک تو حید اعتقادی ہے کہ دل میں یہ یقین رکھے کہ اللہ کی ذات اور ساری صفات یکتا ہوں، اور ایک ہی میں ہیں دوسرا اس کا مثل نہیں۔ اور دوسری عملی توحید ہے کہ زندگی کے ہر گوشے میں ایک ہی کی طرف متوجہ کیا ہے، فقط نماز روزے ہی میں نہیں معاشرت میں چلنے پھرنے میں، گھر آنے جانے میں مسجد میں داخل ہونے اور نکلنے میں سفر میں جانے اور آنے میں بھی ہر موقع پر اللہ کی طرف توجہ کرو، یہ توحید عملی ہے تا کہ عمل کے ایک ایک گوشہ میں تم اللہ ہی کی طرف پہنچو، کسی دوسرے تک نہ جاؤ۔

اسلام کا مزاج...... تو جس دین نے ہمیں سونے جاگنے، چلنے پھرنے میں ایک ذات کی طرف متوجہ کیا تو کیا وہ دین غیر اللہ کی طرف متوجہ کرے گا کہ ہم غیر اللہ کو سجدہ کریں اور غیر اللہ سے ہم پناہ مانگیں، غیر اللہ سے ہم مرادیں مانگیں، اس دین کا یہ مزاج ہی نہیں، یہ مزاج لوگوں کی عقلوں نے پیدا کیا ہے، لوگوں کی غلو محبت اور غلو عداوت نے پیدا کیا ہے اور عقائد انہیں اسباب سے بگڑتے ہیں۔ تو جب عقیدہ کا معاملہ آئے تو ان سب چیزوں سے ہٹ کر اللہ کی طرف اور عشق رسول طرف رجوع کرو جو ارشاد خداوندی اور رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا جو ارشاد ہے اس سے ہم یہ نتیجہ اخذ کریں گے، ہماری عقل اور طبعیت اس قابل نہیں، تو عقائد کا مخزن قرآن کریم یا حدیث نبوی ہے جن سے عقیدہ بنتا ہے۔

عقائد صیحہ کی پہچان...... اور قرآن کریم میں اگر خلجان پیدا ہو تو حدیث اس کی شرح ہے، حدیث کے سمجھنے میں خلجان پیدا ہو تو صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل اس کی شرح ہے، صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے جو چیز قبول کی اور جو ان کا عمل جاری ہوا اس سے ہم دیکھیں گے کہ اللہ کے رسول کا یہی مطلب ہے ورنہ تو سب سے اول قرآن کریم ہے اس کے بعد حدیث نبوی ہے اس کے بعد تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم ہے حدیث اور تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم سے کٹ کر قرآن کریم میں محض عقل لڑائے تو وہ ہمارا عقلی عقیدہ ہوگا، خدا کا بھیجا ہوا عقیدہ نہیں ہوگا، خدا کا بھیجا ہوا عقیدہ وہی ہے جسے خدا خود فرمائے، اللہ کا رسول صلی اللہ علیہ وسلم اس کی شرح کرے، ان کی شرح صحابہ رضی اللہ عنہم کا عمل و تعامل کردے، تو اول کتاب اللہ، پھر سنت رسول اللہ پھر تعامل صحابہ رضی اللہ عنہم کا درجہ ہے۔

اور اعمال صحابہ رضی اللہ عنہم میں اگر خلجان ہو پھر عام امّت کا عمل ہے، یعنی علماء امت اور ربانیوں کا عمل ہے کہ جو دین پہنچانے والے ہیں ان کا طریق عمل کیا رہا ہے؟ محدثین فقہاء، متکلمین وغیرہ یہ حضرات کس چیز پر جمے ہوئے ہیں تو اس سے عقیدہ واضح ہو جائے گا، قرآن نے اجمالاً کہا حدیث نے اس کی شرح کی، فقہ نے تفصیل کی، تعامل صحابہ نے اسے مضبوط بنایا، اور اب امت کے علماء ربانی نے اس کو موکد کر دیا، ان چیزوں سے مل کر عقیدہ بنتا

ہے، ان میں سے ایک چیز کو بھی آپ رکھ دیں، گے تو عقیدہ صحیح نہیں بنے گا، اس واسطے ضرورت پڑے گی کہ عقیدہ درست ہو اور عمل درست ہو۔ خیر بات دور نکل گئی، میں کہنا کچھ اور چاہ رہا تھا، یہ بیچ میں آ گئی۔

بین الاقوامی دین کی علامت...... میں یہ عرض کر رہا تھا کہ انبیاء علیہم السلام ایک ہی عقیدہ اور ایک ہی دین لے کر آئے ہیں، اس واسطے قرآن کریم نے ہم پر واضح کیا کہ سارے انبیاء علیہم السلام پر ایمان لاؤ: ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰہِ وَمَآ اُنْزِلَ اِلَیْنَا وَمَآ اُنْزِلَ اِلٰٓی اِبْرٰھٖمَ وَاِسْمٰعِیْلَ وَاِسْحٰقَ وَیَعْقُوْبَ وَالْاَسْبَاطِ وَمَآ اُوْتِیَ مُوْسٰی وَعِیْسٰی وَمَآ اُوْتِیَ النَّبِیُّوْنَ مِنْ رَّبِّھِمْ لَانُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْھُمْ﴾ ① ''حکم ہے کہ مسلمانوں کو کہہ دو، اعلان کر دو کہ ہم اللہ پر ایمان لائے، اور اللہ نے جو ہم پر (قرآن وحدیث) نازل کیا، اس پر ایمان لائے، اور ابراہیم علیہ السلام پر جو صحف نازل ہوئے ان پر بھی ایمان لائے کہ وہ اپنے زمانے میں حق تھے اور حضرت اسماعیل علیہ السلام، حضرت اسحٰق علیہ السلام، حضرت یعقوب علیہ السلام اور ان کی تمام اولاد تو اس میں نبی اسرائیل کے تمام پیغمبر آ گئے اور حضرت موسیٰ علیہ السلام اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر جو نازل ہوا، اور دیگر انبیاء علیہم السلام پر جو نازل ہوا خواہ وہ کسی بھی ملک سے آئے ہوں، ہم سب پر ایمان لاتے ہیں، ہم تفریق نہیں کرتے کہ اس نبی پر ایمان لاؤ اور اس پر نہ لاؤ سب کو ہم اللہ کا فرستادہ سمجھتے ہیں''۔

ظاہر بات ہے کہ تعصب جو پیدا ہوتا ہے وہ شخصیتوں سے پیدا ہوتا ہے کہ یہ میرا متبع ہے میں اسے مانتا ہوں اور یہ تمہارا متبع ہے میں اسے نہیں مانتا یہیں سے جھگڑا شروع ہوتا ہے، اور جو سارے مقتداؤں کو مانے تو جھگڑا کہاں باقی رہا؟ اسلام نے سارے مقتداؤں کو ماننا بتلایا، تو بین الاقوامی دین اسلام ہی ہوسکتا ہے اگر اسلام یوں کہے کے عرب میں جو پیغمبر آئے ہیں انہیں تو مانو، شام حجاز اور ہندوستان وسندھ میں جو آئیں انہیں مت مانو، یہ تعصب ہوتا۔ یہ بین الاقوامی دین کی علامت نہیں ہوتی، بین الاقوامی دین کے معنی یہ ہیں کہ تعصبات کی جڑ کاٹ دی جائے، تعصب شخصیتوں سے پیدا ہوتا ہے، جب ہم ساری شخصیتوں پر ایمان لائے ہیں، تو ہندوسندھ میں کوئی بھی پیغمبر آئے ہوں، ہمیں نام معلوم ہوں یا نہ ہوں ہم بالاجمال ایمان لاتے ہیں، تو اقوام کے اندر سے غیض اور غصہ نکل جائے گا، غصہ تو جب ہو جب ہم کسی پیغمبر کو برا کہیں، وہ ہم سے لڑے گا، ہمارے پیغمبر کو برا کہے تو ہم لڑیں گے، اگر آنے والا یوں کہے کہ میں تمہارے پیغمبر کو بھی مانتا ہوں اپنا جان کر اور تم میرے پیغمبر کو بھی اپنا جان کر مانو، لڑائی ختم ہوگئی، تو پہلا تعصب شخصیتوں کا ہے، اسلام نے اس کو مٹا دیا یہ علامت ہے کہ وہ بین الاقوامی دین ہے وہ پوری دنیا کے لئے آیا ہے پوری دنیا اس کی طرف متوجہ نہ ہوتی اگر وہ برا بھلا کہتا کہ فلاں جگہ کے نبیوں کو مت ماننا اور ہندوسندھ کے پیغمبروں کو مت ماننا تو سندھ وہند کی اقوام ہم سے الگ ہوتیں، ہم ان سے الگ ہوتے، اور جب سب کو مانا تو کسی کے دل میں غیض نہیں رہا۔ تو یہ بین الاقوامی دین کی علامت ہے۔ اور اگر کوئی یوں کہے کہ میرے

① پارہ: ۱، سورۃ البقرۃ، الآیۃ: ۱۳۶.

پیغمبر کو مانو اور فلاں جگہ کے پیغمبر کو مت ماننا تو یہ تعصب و تنگی اور مقامیت کی علامت ہے۔

ایک یہودی سے گفتگو...... میرا افریقہ جانا ہوا تو ہمیں پرس (یعنی بٹوے) خریدنے تھے۔ اس لئے کہ ہمیں افریقہ سے حجاز مقدس جانا تھا تو احرام میں گھڑی، مسواک کاہے میں ڈالتے، کپڑا تو نہیں پہن سکتے۔ تو ہمارے میزبانوں نے کہا کہ پرس بنانے کی ایک بہت بڑی فیکٹری ایک یہودی کی ہے، وہاں انواع واقسام کے پرس بنتے ہیں آپ وہاں چلیں، بہتر سے بہتر پرس ملے گا، چناں چہ ہم وہاں پہنچے، تو ہمارے میزبانوں نے پہلے جاکے کچھ میرا تعارف کرادیا کہ ہندوستان سے آیا ہے اور دارالعلوم دیوبند کا ذکر وغیرہ، وہ یہودی جوارب پتی تھا، وہ استقبال کے لئے باہر نکلا، بڑی آؤ بھگت کر کے اپنی فیکٹری میں لے گیا۔ خیر اس نے کہا کہ اپنے پرس پسند کرلیں، بعد میں بیٹھ کر بات چیت کریں گے، ہم نے پرس پسند کئے مگر ہم نے کہا کہ ان پرسوں میں جو ہینڈل ہے وہ چھوٹا ہے ہمیں گلے میں ڈالنے کے لئے چاہئے، اس نے کہا میں ابھی بنوائے دیتا ہوں اس نے آرڈر دیا کہ ان کا جو فیتا ہے وہ لمبا کردو تاکہ گلے میں ڈالنے کے قابل ہوجائے وہ دیدیئے اور کہا کہ وہ بن کر آجائیں گے اتنے میں ہم آپس میں بات چیت کریں، وہ بات چیت ہوتی رہی، اس میں اس نے کہا کہ کوئی مذہب کی بات بتایئے، میں کہا کہ میں مذہب کی کیا بات بتلاؤں آپ اپنے مذہب پر ہیں میں اپنے مذہب پر ہوں۔

﴿لَكُمْ دِيْنُكُمْ وَلِيَ دِيْنِ﴾ ① کہنے لگے: آپ کچھ کہئے۔ میں نے کہا آپ برا تو نہیں مانیں گے؟ کہنے لگا، بالکل نہیں مانوں گا۔ میں نے کہا: پہلی بات تو یہ ہے کہ آپ ہمارے دشمن ہیں، ہم آپ کے دوست ہیں۔ کہنے لگا: یہ کیسے؟ میں نے کہا کہ ہم تو آپ کے دوست ہیں۔ اس لئے کہ آپ کے پیغمبر حضرت موسیٰ علیہ السلام ہیں اور ہم ان کو اپنا پیغمبر جانتے ہیں کہ ذرہ برابر اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کی شان میں گستاخی ہوئی تو آدمی اسلام سے خارج ہوجائے گا، اس لئے جو آپ کے پیغمبر ہیں وہ ہمارے پیغمبر ہیں۔ اس لئے ہم مسلمان بن نہیں سکتے جب تک حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان نہ لائیں اور آپ یہودی بن نہیں سکتے جب تک حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو نہ جھٹلائیں اور یہ نہ کہیں کہ معاذ اللہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ کہا وہ غلط تھا تو آپ انہیں جھٹلائے بغیر یہودی نہیں بن سکتے ہم تصدیق کئے بغیر مسلمان نہیں بن سکتے، تو ہم آپ کے دوست ہیں آپ ہمارے دشمن ہیں۔ اب وہ بے چارہ چپ ہوگیا۔ چپ ہوکر کہنے لگا کچھ اور کہئے۔ میں نے کہا کہ ہم ایماندار ہیں آپ بالکل ایمان سے خارج ہیں۔ کہنے لگا کہ یہ کیسے؟ میں نے کہا ایمان ماننے کا نام ہے، نہ ماننے کا نام ایمان نہیں ہے، ہم سب کو مانتے ہیں، حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی، حضرت موسیٰ وعیسیٰ علیہما السلام اور سارے پیغمبروں کو بھی، آپ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو مانتے ہیں نہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو مانتے ہیں تو نہ ماننے والے کا ایمان نہیں ہے ماننے کا نام ایمان ہے، اس لئے آپ ایمان سے خارج ہیں، ہم ایمان میں داخل ہیں۔

---

① پارہ: ۳۰، سورۃ الکافرون: ٦.

کہنے لگا: اور کچھ کہئے۔ میں نے کہا: اب رہنے دیں۔ کہنے لگا: کچھ تو کہئے۔ میں نے کہا: آپ کے اندر عداوت بھری ہوئی ہے، ہمارے اندر محبت بھری ہوئی ہے۔ اس لئے کہ ایمان محبت کا نام ہے۔ جب ہم ایمان لائے تو سارے انبیاء سے محبت رکھتے ہیں۔ آپ کے ہاں نہ ماننے کا نام ایمان ہے اور وہ عداوت کا سرچشمہ ہے، اس واسطے آپ عداوت سے بھرپور ہیں ہم محبت سے بھرپور ہیں۔

کہنے لگا! بس کافی ہوگیا، اب زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں، اب میں بات چیت کرنے کو برا مانوں گا۔ تو حقیقت یہی ہے کہ ایمان ماننے کا اور محبت کا نام ہے، مومن وہی ہے جو سارے اللہ والوں کو مانے، وہ مومن نہیں ہے جو بعض انبیاء علیہم السلام کو مانے اور بعض کو نہ مانے، مومن وہی ہے جو سارے اولیائے کرام کا نام عظمت سے لے، ان کی محبت کو اپنے دل میں جگہ دے، بعض اولیاء کو مانے اور بعض کو نہ مانے بعض کی تکفیر کردے اور بعض کو مومن مانے، حقیقت میں یہ شخص محبت سے خالی ہے۔

بہرحال ایمان ماننے اور محبت کا نام ہے۔ اور ایمان توکل اور بھروسہ کرنے کا نام ہے، تو اللہ پر بھروسہ اور انبیاء علیہم السلام کا ماننا اور ان کی اطاعت میں سرگرم رہنا، اور اطاعت بھی اس طرح کہ عقیدہ بھی درست ہو ایک ہی کو کرتا دھرتا مانے اور عمل بھی درست ہو کہ ہر موقع پر ایک ہی کی طرف توجہ ہو۔

بین الاقوامی دین کی دوسری علامت...... اور جو کچھ میں نے عرض کیا کہ صبح کو بھی اللہ کی طرف متوجہ۔ گھر سے نکلتے وقت نماز کے وقت بھی اللہ کی طرف متوجہ۔ یہ سارے حضور صلی اللہ علیہ وسلم ہی کے اعمال ہیں، آپ سے ہی یہ ساری دعائیں منقول ہیں کہ جب آپ گھر میں داخل ہوتے تو یہ دعاء پڑھتے اور جب گھر سے خارج ہوتے تو یہ دعاء پڑھتے مسجد میں جاتے تو یہ دعاء پڑھتے، تو مقصود اس سے یہی ہے کہ انسان کے قلب میں صرف ایک ذات سے محبت و تعلق ہونا چاہئے ایک ہی کی طرف دھیان اور لگاؤ ہو۔

اور ایک سے تعلق رکھنا جب انفرادی طور پر آسان ہے ایسے ہی اجتماعی طور پر آسان ہے ایک ہی کی ذات کی نسبت سے دنیا کے تمام انسان ایک لڑی میں آسکتے ہیں شخصیت وطن رنگ ونسل کی نسبت سے اجتماعی وحدت پیدا ہونا ممکن نہیں اور جب تک اجتماعی وحدت نہ ہو ان امور کے لحاظ سے دین بھی مختلف ہوتا رہے تو کبھی بھی دین میں بین الاقوامیت نہیں آسکتی بین الاقوامی دین وہی ہوسکتا ہے جو رنگ ونسل اور شخصیت و وطن کے بتوں کو پاش پاش کردے اور ان سب چیزوں سے وراء الوراء کسی ایسی مقدس ذات سے انسان کو جوڑے جو سب کے لئے قابل قبول ہو اور وہ ذات اقدس اللہ رب العزت کی ذات ہی ہوسکتی ہے، اللہ رب العزت کی حقیقی پہچان اسلام دیتا ہے تو اسلام ہی بین الاقوامی دین ہوسکتا ہے کوئی اور دین نہیں ہوسکتا۔

بین الاقوامی دین کی تیسری علامت...... بہرحال اسلام نے شخصی تعصب کو بھی ختم کیا اور سب کو ماننے کا حکم دیا۔ اسی طرح وطنی تعصب کو بھی ختم کیا۔ تاکہ اس کی بین الاقوامیت ہر پہلو سے واضح ہوجائے اور اس پر کوئی حرف

نہ آسکے۔ چنانچہ اگر کوئی یوں کہے کہ میرا وطن بہت عمدہ ہے تمہارا وطن گھٹیا خواہ مخواہ جذبات کو مشتعل کرنا ہے کہ میرے وطن کو برا کہہ دیا اور اپنے وطن کو اچھا کہا میری زمین کو برا کہا، اپنی زمین کو اچھا کہا۔ تو اس سے آدمی میں وطنی تعصب پیدا ہوتا ہے کہ میری زمین ایسی اور تمہاری زمین گندی۔ اس سے بھی قوموں میں لڑائیاں پیدا ہوتی ہیں، زمین کے ٹکڑے بھی لڑائیاں کرا دیتے ہیں، اس تعصب سے بھی کبھی عقیدے اور مذہب میں خلل پڑتا ہے کہ میری زمین سے جو مذہب اگا ہے وہی مذہب ہے تمہاری زمین پر جو مذہب اگا ہے وہ ہمارا مذہب نہیں ہے۔ بھلا مذہب کو بھی گیہوں چنے کی طرح پیداوار سمجھ لیا تو اس سے ایک تعصب پیدا ہوتا ہے۔

اس لئے اسلام نے ہم وطنوں کی بھی تقدیس کی، احادیث کو آپ دیکھیں یمن، شام کی مدح فرمائی گئی، حجاز کی فضیلت بیان کی گئی ہندوستان کے مناقب الگ بیان کئے ہند اور سندھ کے بارے میں بھی تعریفی کلمات فرمائے گویا ملک کی تقدیس کی اور ہر ملک کی خوبی بیان کی تو اسلام نے وطنیت کی جڑ نکال دی یہ مذہب کی تفریق کا ذریعہ بنتی تھی، جب سارے ملک ایک ہو گئے۔

ہر ملک ملکِ ما است کہ ملکِ خدائے ما است

ہر ملک ہمارا ملک ہے کہ ہمارے خدا کا ملک ہے اور خدا سب کا ایک ہے تو ہمارے سارے وطن! تو تعصب کہاں سے پیدا ہوگا؟ لڑائی کیسے پیدا ہوگی؟ تو اسلام نے جب وطنوں کی تعریف کی، معلوم ہوا اسلام بین الاقوامی مذہب ہے اور بین الاوطانی مذہب ہے ورنہ یوں کہتا کہ صاحب! عرب کی زمین میں جو فضیلت ہے نہ وہ ہندوستان میں ہے نہ یمن میں نہ شام میں، ان ملکوں کے آدمیوں سے ہمیں کوئی تعلق نہیں۔

افضلیت کا بین الاقوامی معیار...... ہم تو عرب کے لوگوں کو جانتے ہیں۔ بلکہ یہ فرمایا دیا گیا: ''لَیْسَ لِعَرَبِیٍّ عَلٰی عَجَمِیٍّ فَضْلٌ اِلَّا بِالدِّیْنِ وَتَقْوٰی'' ① ''کسی بھی عربی کو عجمی پر فضیلت نہیں ہے، فضیلت ہے تو تقویٰ، پارسائی اور پاکدامنی سے ہے۔'' کہیں کا رہنے والا ہو جو متقی ہوگا وہ اللہ کے ہاں معظم اور مکرم ہے جو تقویٰ نہیں اختیار کرے گا خدا سے نہیں ڈرے گا، پاکدامن پارسا نہیں بنے گا وہ اللہ کے ہاں محبوب نہیں چاہے وہ عرب ہی کا رہنے والا ہو، تو وطنیت کی جڑ نکال دی، سارے وطنوں کو اپنا وطن کہا۔ یہ دلیل ہے کہ اسلام بین الاقوامی دین ہے کوئی مقامی مذہب نہیں ہے کہ ایک زمین سے نکلا تو اس زمین والوں کے لئے ہے دوسری زمین والوں کے لئے نہیں ہے، تو شخصیت کا تعصب مٹایا، وطنیت کا تعصب بھی مٹایا۔

بین الاقوامی دین کی چوتھی علامت...... کبھی رنگ سے تعصب پیدا ہو جاتا ہے جیسے افریقہ میں ہو رہا ہے کہ وہاں کالے اور گورے کی بڑی سخت تفریق ہے کالوں کی گاڑیاں الگ اور گوروں کی الگ کالوں کی بسوں میں

① مسند الحارث زوائد الهيثمي، باب التبليغ، ج: ۱، ص: ۳۴۸، رقم: ۵۱. حدیث صحیح ہے دیکھئے: مجمع الزوائد ج: ۳ ص: ۲۶۶.

گورے اور گوروں کی بسوں میں کالے نہیں بیٹھ سکتے، گوروں کے لئے عالی شان اسٹیشن ہے اور کالوں کے لئے ایک معمولی ساویٹنگ روم بنا ہوا ہے، گورے ادھر نہیں آسکتے کالے ادھر نہیں جاسکتے ہوائی اڈے پر جو اعلیٰ ترین حصہ ہے وہ گوروں کا ہے اور ایک معمولی ہال بنا ہوا ہے اس میں کالے بیٹھتے ہیں تو اس تفریق کی وجہ سے ایک خاص تعصب وہاں پیدا ہو گیا۔ اس کا نتیجہ ہے کہ کالے گوروں کے اور گورے کالوں کے دشمن بنے ہوئے ہیں، کالوں کے بس میں آجائے تو گوروں کو گولی سے اڑا دیں اور گوروں کے بس میں آجائے تو کالوں کو ختم کر دیں تو رنگ کی وجہ سے تعصب پیدا ہو گیا۔ مگر اسلام نے اس تعصب کو مٹا دیا اور ارشاد فرمایا: ''بُعِثْتُ اِلَی الْاَحْمَرِ وَالْاَسْوَدِ'' ① ''میں کالے اور گورے سب کی طرف مبعوث کیا گیا ہوں''

کالے بھی میرے ہیں گورے بھی میرے ہیں، جو میرے خدا کا حکم مان لے وہ میرا ہے۔ چاہے وہ کالے رنگ کا ہو چاہے وہ گورے رنگ کا ہو۔ تو گورے اور کالے رنگ کا فرق مٹایا۔ اور شخصیتوں کا فرق الگ مٹایا، یہی تو اس دین کے بین الاقوامی ہونے کی علامت ہے۔ اگر زمین کے ساتھ مقید ہوتا تو مقامی دین ہوتا، شخصیتوں کے ساتھ مقید ہوتا تو شخصی دین ہوتا، رنگ کے ساتھ مقید ہوتا تو رنگین دین بنتا، لیکن رنگ، وطن اور شخصیتوں سے بھی بالا تر ہے تو یہ اس کی علامت ہے کہ پورے عالم کے لئے یہ مذہب ہے اس لئے یہ فرمایا گیا کہ: ﴿قُوْلُوْٓا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ﴾ پہلے تو یہ کہو کہ جتنے بھی انبیاء ہیں ہم سب پر ایمان لائے، ان انبیاء پر جو کتابیں نازل ہوئیں ان سب پر ہم ایمان لائے اپنے وقت میں وہ سب حق تھیں، اگر برائی پیدا کی تو اقوام نے پیدا کی، انبیاء اور کتابیں اس سے بری ہیں، تغیر اور تبدل اقوام نے کیا ہے۔ پھر یہ انبیاء علیہم السلام سارے وطنوں میں آئے جیسے قرآن کریم میں فرمایا گیا: ﴿وَلِكُلِّ قَوْمٍ هَادٍ﴾ ② ﴿وَلِكُلِّ اُمَّةٍ رَّسُوْلٌ﴾ ③

تو جن رسولوں پر ہم ایمان لائے، جب وہ ہر وطن میں ہیں تو سارے وطن ہمارے نزدیک مقدس ہیں، جس وطن میں پیغمبر آئے ہم کہیں گے وہ وطن ہمارے نزدیک مقدس ہے، وہاں بھی اللہ والے ہیں، جب ہم کسی وطن کو برا نہیں کہیں گے، سارے وطنوں کی خوبیاں ہمارے ذہن میں ہیں، تو معلوم ہوا کہ اسلام سارے وطنوں کے لئے ہے کسی ایک وطن کیلئے نہیں ہے وہ سارے افراد بنی آدم کے لئے ہے کسی ایک شخص کے لئے نہیں ہے کسی ایک قوم کے لئے نہیں ہے وہ سارے رنگوں کو اپنا کہتا ہے تو اس میں کالے گورے کی کوئی تمیز نہیں تو جس میں یہ تفریقیں مٹ جائیں، سمجھو کہ وہ مذہب بین الاقوامی ہے جہاں یہ تفریقیں موجود ہیں سمجھو کہ وہ مقامی مذہب ہے، وطنی مذہب ہے، تو کسی دوسرے کو حق نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کے وطن میں جا کے داخل ہو۔ یہ حق تو بین الاقوامی مذہب کو ہے کہ وہ ساری دنیا میں پھیلے۔

بین الاقوامی دین ہونے کا معیار...... یہ میں اس لئے عرض کر رہا ہوں کہ دھڑے بندی مت کرو ایک اللہ کی

① مسند الرویانی، حدیث ابی موسیٰ رضی اللہ عنہ: ۳۲۱/۱ رقم ۴۸۵. حدیث صحیح ہے دیکھئے: ارواء الغلیل، اول الکتاب ج: ۱ ص: ۳۱۶. ② پارہ: ۱۳، سورۃ الرعد، الآیۃ: ۷. ③ پارہ: ۱۱، سورۃ یونس، الآیۃ: ۴۷.

طرف متوجہ ہوکر یہ کوشش کرو کہ اللہ کا پیغام سند کے ساتھ ہمیں کہاں ملے گا۔اس لئے کہ دین نقلی ہے اور نقل کے لئے روایت کی ضرورت ہے اور روایت کے لئے سند کی ضرورت ہے تو سند تلاش کرو مقصد یہ کہ سندی اور تاریخی طور پر کون سا دین پیغمبر تک پہنچتا ہے اور بیچ میں پہنچانے والوں کو، سب کو ہم پہچانتے ہوں کہ یہ اس کا راوی ہے یہ اس کا راوی تو سند کے ساتھ جو دین پیغمبر تک پہنچ جائے وہ واجب الاعتقاد ہوگا، جس کی سند نہ ہوگویا قصے اور کہانی کے طور پر آرہا ہے، ہوسکتا ہے اس میں غلطیاں داخل ہوگئی ہوں، ہوسکتا ہے اس میں کچھ برائیاں داخل ہوگئی ہوں۔لیکن سند کے ساتھ جو چیز آئے گی اس میں برائی نہیں آسکتی۔قرآن کو یا حدیث کو دیکھو ایک ایک آیت کی سند پیغمبر تک پہنچی ہوئی ہے مثلاً اگر میں یوں کہوں کہ میں نے قرآن کریم حضرت قاری عبدالوحید خاں صاحب مرحوم سے حفظ کیا، انہوں نے قاری عبدالرحمٰن صاحب مرحوم سے حفظ کیا انہوں نے قاری عبداللہ صاحب مرحوم سے، قاری عبداللہ صاحب نے قاری محمود صاحب مصری سے اور قاری محمود صاحب نے اپنے استاذ سے اور اس طرح سند میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچادوں پھر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن جبریل علیہ السلام سے پہنچا اور جبریل امین کے قلب میں حق تعالیٰ شانہ نے القاء کیا گویا ایک حافظ کی سند حق تعالیٰ شانہ تک پہنچی ہوئی ہے، میرا خیال یہ ہے کہ دنیا میں شاید کوئی مذہب اس طرح سند نہیں پیش کرسکے گا، اگر انجیل والوں سے پوچھو کہ یہ انجیل کہاں سے آئی تمہارے استاذ کون ہیں، ممکن ہے ایک دو اساتذہ تک بتلا دیں۔آگے غائب، یہودیوں سے پوچھو کہ تورات لانے والے کون ہیں راوی کون کون ہیں؟ تاریخ ندارد ہے کیا خبر کسی نے کیا تصرف کیا۔زیادہ کیا یا کم کیا۔جب سندی دستاویز نہیں تو تصرفات ہوسکتے ہیں تو سب سے پہلے دیکھنے کی چیز تاریخ اور سند متصل ہے کہ اللہ تک ملی ہوئی ہوتو قرآن وحدیث کے سوا ہم انصافاً کہتے ہیں کہ کوئی سند ملی ہوئی نہیں۔اس کی رو سے ہم یہ سمجھتے ہیں کہ انجیل بھی حق ہے۔اگر قرآن نہ بتلائے تو ہمیں خبر نہیں تھی کہ انجیل حق ہے یا نہیں قرآن نے کہا کہ تورات حق ہے تو سند صحیح کے ساتھ معلوم ہوا کہ واقعی حق ہے۔تو اسلام نے سند متصل کے ساتھ پیغمبروں کا پتہ دیا۔ہم نے مانا، ایمان لائے۔

تو اصل چیز ایمان لانے کی سند ہوتی ہے۔اگر آج حضرت موسیٰ علیہ السلام کی پیغمبری ماننے کے قابل ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی پیغمبری زیادہ ماننے کے قابل ہے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام پر اللہ نے معجزے نازل کئے کہ ہاتھ گریبان سے نکالا تو سورج کی طرح روشن۔اور عصا پھینک دیا تو اژدھا بن گیا اور یہ ان کی نبوت کی دلیل ہے تو اس قسم کے سینکڑوں ہزاروں معجزے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو حق تعالیٰ نے عطا کئے۔آپ کی انگشتان مبارک سے چشمے پھوٹ پڑے اور چودہ سو آدمیوں نے اپنے مشکیزے بھر لئے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی انگلی کے اشارے سے چاند شق ہوا۔آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو معراج کے لئے عرش تک پہنچایا گیا۔پتھروں نے آپ سے سلام کیا۔درندوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی شہادت دی کہ: "اَشْهَدُ اَنَّکَ رَسُوْلُ اللهِ" ایسی روایات سند متصل کے ساتھ اور نقل صحیح کے ساتھ موجود ہیں، جن کی سند ہم حضور صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچا سکتے ہیں، مسلمانوں نے

پچاس ہزار آدمیوں کی جو حدیث کی روایت کرنے والے ہیں ان کی تاریخ مرتب کردی کہ یہ ان کا کیریکٹر تھا، یہ ان کا خاندان تھا، یہ ان کی نسل تھی، یہ ان کی سچ اور جھوٹ کی کیفیت تھی، ایک ایک چیز جمع کی۔ تو آج جس سند سے ہم روایت کریں گے اس سند کے ایک ایک فرد کی تاریخ بھی بیان کرسکیں گے کہ ہمارے استاد یہ تھے تو ان کی یہ شان تھی، ان کے استاد یہ تھے تو ان کا یہ کردار تھا، اسی طرح آگے سلسلہ ہے اس طور پر پچاس ہزار آدمیوں کی تاریخ مرتب ہے جن سے قرآن وحدیث ہم تک پہنچا تو سب سے پہلی چیز سند وروایت ہے، تو قرآن کی سند سے بڑھ کر کوئی سند نہیں۔ اور کتابوں کی ہم سند ہی نہیں پاتے۔ قرآن حکیم کی سند کے ہر ایک کے زمانے میں لاکھوں افراد موجود ہیں، جنہوں نے قرآن کریم حفظ کیا اگر معاذ اللہ کوئی قرآن کریم کو دریا برد بھی کردے تو منٹ بھر میں پھر لکھا جائے گا ہزاروں لاکھوں حفاظ موجود ہیں: ﴿بَلْ هُوَ اٰيٰتٌ ۢ بَيِّنٰتٌ فِيْ صُدُوْرِ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْعِلْمَ﴾ ① ''اللہ نے یہ آیتیں اہل علم کے سینے میں محفوظ کردی ہیں''۔

اگر صندوقوں میں قرآن محفوظ ہوتا تو صندوقوں کو دریا میں بہایا جاسکتا تھا۔ زمین میں دفن کرتے تو زمین اس کو گلا دیتی۔ ہوا میں رکھتے تو ہوا کاغذوں کو اڑا دیتی۔ اللہ نے ایسی جگہ حفاظت کی کہ نہ وہاں آگ جاسکے نہ پانی نہ مٹی اور وہ اہل علم کے قلوب ہیں، ان میں محفوظ ہے اسی طرح وہاں شیطان اور جن بھی نہیں جاسکتے، تو قرآن کی حفاظت یہ ہے کہ ایک وقت میں لاکھوں حفاظ موجود ہیں، حدیث کی حفاظت یہ ہے کہ ایک ایک ٹکڑے کے لئے اللہ کے رسول تک سند موجود ہے۔ تو اتنا مستند کلام تو معتبر نہ ہو اور جس کی کوئی سند نہ ہو وہ معتبر ہو جائے؟ اگر وہ ماننے کے قابل ہے تو سب سے پہلے یہ ماننے کے قابل ہے۔ اگر حضرت موسیٰ اور عیسیٰ علیھما السلام پر ایمان لانا ضروری ہے تو محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر ایمان لانا ان سے زیادہ ضروری ہے۔ جو وہاں دلائل ہیں ان سے بڑھ کر یہاں دلائل موجود ہیں اس لئے اسی دین کو اختیار کرنا چاہیئے۔

فکرِ فردا...... ایسے دین کے ہوتے ہوئے ہر شخص کا فرض ہے کہ اپنی موت اور آخرت دیکھ کر آخرت کو سیدھا کرے، دین کا بڑا کام یہ ہے کہ آخرت درست کرے، اس لئے کہ مرنا مجھے بھی ہے، تمہیں بھی۔ یہ سارے قصے یہیں ختم ہو جانے والے ہیں، نہ کوئی بوڑھا باقی رہے گا، نہ کوئی جوان، بالآخر اسی پروردگار کے آگے جانا ہے جس نے پیدا کیا ہے اور جہاں سے ہم آئے ہیں: ﴿وَهُوَ الَّذِيْ يَبْدَؤُا الْخَلْقَ ثُمَّ يُعِيْدُهٗ﴾ ② جس نے ہماری ابتداء کی ہے اسی کی طرف ہماری انتہا بھی ہے، وہی مبدا بھی ہے وہی معاد بھی ہے وہیں سے چلے ہیں وہیں لوٹ کر جانے والے ہیں، تو جب ایک دن ایسا آنے والا ہے کہ ہمیں اللہ کے آگے کھڑا ہونا ہے، ایک ایک چیز کا حساب دینا ہے، تو آدمی غور کرے اور سمجھے کہ میں وہاں کے لئے تو کچھ سامان کروں۔ اور وہاں کا سامان روٹی کا ٹکڑا تو ہے نہیں؟ وہ دین ہی ہوسکتا ہے تو دین وہ ہو جو مستند ہو سند متصل کیساتھ پیغمبر تک پہنچا ہوا ہو، جس پر آدمی یقین کرسکے کہ یہ دین ہے۔ تو غور و

① پارہ: ۲۱، سورۃ العنکبوت، الآیۃ: ۴۹. ② پارہ: ۲۱، سورۃ الروم، الآیۃ: ۲۷.

فکر کرنا ہم سب کا فرض ہے خواہ ہندو ہو یا مسلمان ہو۔ ہر ایک کو اس کے ہاں جانا ہے اور ہر ایک کو اس سے ملنا ہے۔

اور موت کا کوئی وقت ہمیں تو معلوم نہیں۔ خدا جانے کب آجائے، یہ تو اللہ ہی کے علم میں ہے۔ یہ خیال کرنا کہ ابھی تو جوانی ہے، بڑھاپا جب آئے گا دیکھی جائے گی۔ ابھی تو ہم تندرست ہیں بیماری آئے گی تو دیکھی جائے گی، کیوں کہ موت تو بیماری سے آتی ہے۔ تو بھئی! موت کے لئے نہ بڑھاپا شرط ہے نہ بیماری شرط ہے نہ بچپن شرط ہے، بوڑھے بچے جوان سبھی مرتے ہیں تندرست بھی مرتے ہیں مریض بھی مرتے ہیں۔ بعضوں کے ہارٹ فیل ہو جاتے ہیں۔ اچھے بھلے تندرست ہوتے ہیں مگر منٹ بھر میں ختم ہو جاتے ہیں تو یہ شیطانی دھوکہ ہے کہ جب بڑھاپا آئے گا تو بہ کرلیں گے اور غور کرلیں گے کیا خبر ہے بڑھاپا آئے گا بھی یا نہیں؟ کیا پتہ پہلے ہی چلتے بنیں۔ بلکہ میں تو کہتا ہوں جوان زیادہ مرتے ہیں۔ بوڑھے کم مرتے ہیں، زیادہ موت جوانوں کو آتی ہے بوڑھوں کو نہیں۔ اس لئے کہ آپ مجمعوں پر نگاہ ڈالیں تو بوڑھے کم نظریں پڑیں گے جوان زیادہ نظر آئیں گے، یہ اس کی علامت ہے جوان زیادہ مرتے ہیں اس لئے اگر سارے بوڑھے ہو کر مرا کرتے تو بوڑھے مجموں میں زیادہ نظر پڑتے مگر وہاں جوان زیادہ نظر آتے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے کہ بڑھاپے تک پہنچ ہی نہیں پاتے، پہلے ختم ہو جاتے ہیں تو نوجوانوں کو زیادہ موت آتی ہے، بوڑھوں کو کم آتی ہے، بڑھاپے تک لوگ کم پہنچتے ہیں، غرض اس دھوکہ میں آپ نہ رہیں کہ جب بڑھاپا آئے گا جب سوچ لیں گے، جب بیماری آئے گی جب سوچ لیں گے، موت کی جب علامتیں شروع ہوں گی جب سوچ لیں گے۔ وہ تو یکدم آجاتی ہے، کھڑے پیر آجاتی ہے۔

درپیش منزل...... تین پیغمبر ہیں جن کو اچانک ہی موت واقع ہوئی ہے، حضرت داؤد، حضرت سلیمان اور حضرت یوسف علیہم السلام تینوں کی موت اچانک ہوئی ہے تو جب انبیاء علیہم السلام اس دنیا سے اچانک گزر سکتے ہیں تو میری اور آپ کی کیا حقیقت ہے؟ ہم کس چیز پر غرہ کریں؟ بہر حال موت کے لئے ظاہری علامت ضروری نہیں کئی آدمی بیٹھے بیٹھے گزر گئے۔ ہزاروں واقعات اس قسم کے ہیں۔ اس لئے جب سب کو یہ منزل درپیش ہے تو سب کو اس کی فکر کرنی چاہئے، اور اپنے ضمیر سے سوچنا چاہئے۔

دین حق کی آسان پہچان...... آدمی کا دل بڑا مخلص ہوتا ہے۔ دل منافق نہیں ہوتا۔ دل آدمی کو صحیح مشورہ دیتا ہے ادھر ادھر کے دوست غلط مشورہ بھی دے دیں مگر دل مطمئن نہیں ہوتا، جب تک آپ صحیح بات سوچ کر سامنے نہیں رکھ دیں گے اس لئے اپنے ضمیر سے سوچیں اور غور کریں کہ دینوں کے اندر واقعی کون سا دین حق ہے، سند اور روایت کے لحاظ سے کون سا دین حق ہے، تعلیمات کے لحاظ سے دیکھو تو کس کی تعلیم زیادہ ستھری، منقّی اور ممتاز تعلیم ہے کہ حق و باطل اس میں نکھرا ہوا ہے۔ اور جب ذہن میں آجائے اور دل گواہی دے تو فوراً آدمی کو قبول کرنا چاہئے، پھر اس پر نہ رہے کہ قوم کیا کہے گی۔ اور میرے رشتہ دار کیا کہیں گے۔ وہاں نہ رشتہ دار کام آئے گا نہ قوم کام آئے گی۔ وہاں تو اپنا دین اور عمل کام آئے گی۔ اور اللہ کے آگے تو تنہا پہنچنا ہے، چنانچہ قرآن کریم میں

فرمایا گیا: ﴿وَلَقَدْ جِئْتُمُوْنَا فُرَادٰى كَمَا خَلَقْنٰكُمْ اَوَّلَ مَرَّةٍ وَّ تَرَكْتُمْ مَّا خَوَّلْنٰكُمْ وَرَآءَ ظُهُوْرِكُمْ ج وَمَا نَرٰى مَعَكُمْ شُفَعَآءَكُمُ الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ اَنَّهُمْ فِيْكُمْ شُرَكٰٓؤُا ط لَقَدْ تَّقَطَّعَ بَيْنَكُمْ وَضَلَّ عَنْكُمْ مَّا كُنْتُمْ تَزْعُمُوْنَ﴾ ① ''حق تعالیٰ فرمائیں گے کہ آ گئے تم تن تنہا ہمارے پاس جیسے ہمارے پاس سے تنہا گئے تھے، کیوں کہ تمہارے پیدا ہونے میں کوئی شریک نہیں تھا۔ ہم نے تنہا بھیجا اور تم تنہا پہنچے۔ آج اسی طرح ہمارے پاس آئے ہو جیسے ہم نے پیدا کیا تھا اور جن چیزوں پر تم نے بھروسہ کر رکھا تھا، انہیں اپنے پیچھے چھوڑ آئے ہو۔ جن کو تم نے دوست سمجھ رکھا تھا، کہ یہ ہمیں بخشوالیں گے۔ (ان سب کو پیچھے چھوڑ آئے ہو؟) آج ہم تمہارا کوئی سفارشی نہیں دیکھتے۔ کوئی مددگار نہیں دیکھتے، جن کو تم یہ سمجھتے تھے کہ ہمارے شریک ہیں جو اللہ کے ساتھ مل کر ہمیں نجات دلائیں گے۔ آج وہ تمہارے شفیع اور سفارشی کہاں ہیں؟ وہ سب امیدیں تمہاری قطع ہو گئیں۔ اور جو کچھ تم نے سوچ رکھا تھا وہ سب گنبد سرا ہو گیا''۔

اس لئے میری گزارش یہ ہے کہ دین کے بارے میں آدمی اپنے ضمیر سے غور کر لے، اپنے دل سے مشورے اپنی موت اور اپنی آخرت کو سامنے رکھ کر سوچے یہ سامنے رکھ کر نہ سوچے کہ میرے ساتھ سامان کتنا ہے، میرے ساتھ مشورہ دینے والے کتنے ہیں؟ میرے عزیز کتنے ہیں؟ یہ کوئی نجات دلانے والے نہیں، نہ کوئی ساتھ جانے والا ہے، ضمیر ساتھ جائے گا۔ اعتقاد اور ایمان ساتھ جائیگا۔ عمل ساتھ جائے گا اسی لئے انہیں کو اپنے ساتھ رکھو۔

حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ...... حضرت حاتم اصم رحمۃ اللہ علیہ جو حضرت شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے مرید ہیں اور خلیفہ بھی ہیں، بزرگوں سے میں ہیں۔ حضرت شفیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں تینتیس (۳۳) برس رہے وہیں تربیت پائی اور تعلیم باطن حاصل کی۔ تینتیس برس کے بعد شقیق بلخی رحمۃ اللہ علیہ نے پوچھا کہ تینتیس برس میرے پاس رہے تم نے کیا حاصل کیا؟ عرض کیا کہ میں نے آٹھ مسئلے سیکھے ہیں: فرمایا کہ کل آٹھ مسئلے؟ عرض کیا جی ہاں کل آٹھ مسئلے! فرمایا کہ میرا بھی وقت ضائع کیا اپنا بھی وقت ضائع کیا۔ بندۂ خدا تینتیس برس میں کل آٹھ مسئلے؟ فرمایا: آخر وہ آٹھ مسئلے کیا ہیں؟ عرض کیا کہ:

انتخاب محبوب...... پہلا مسئلہ تو یہ ہے کہ میں نے دنیا میں دیکھا کہ ہر ایک کو کسی نہ کسی سے محبت ہے اور وہ اپنے محبوب کی فکر میں ہے کہ وہ مجھ سے راضی ہو اور میں اس سے مل جاؤں مجھ میں اور اس میں جدائی اور فراق نہ ہو۔ لیکن مرنے کے بعد یہ سارے محبوب جدا ہو جاتے ہیں۔ نہ کوئی محبوب قبر میں ساتھ جاتا ہے جس سے محبت کی تھی نہ وہ دستگیری کرتا ہے اس واسطے میں نے قرآن کریم میں یہ دیکھا کہ عمل آدمی کے ساتھ جاتا ہے تو میں نے اعمال صالحہ کے ساتھ محبت کی، اور سب سے محبت ترک کر دی تاکہ میرا محبوب قبر میں بھی میرے ساتھ رہے اور الگ نہ ہونے پائے۔

تو ایک مسئلہ تو میں نے یہ سیکھا ہے کہ سارے محبوب چھوڑ کر ایک عمل صالح کو محبوب بنا لیا ہے، اس لئے کہ کوئی

---

① پارہ: ۷، سورۃ الانعام، الآیۃ: ۹۴.

محبوب قبر میں ساتھ نہیں جائے گا، نہ بیوی نہ دوست نہ بچہ، عمل آدمی کے ساتھ جائے گا، اس لئے اس کو محبوب بنالیا اور سارے محبوبوں کو ترک کر دیا۔

تعیینِ دشمن...... دوسرا میں نے یہ دیکھا کہ دنیا میں ہر ایک کو کسی نہ کسی سے عداوت بھی ہے اور وہ اس سے بچنے کی کوشش اور فکر میں رہتا ہے۔ اور دوسرا اس کو نیچا دکھانے کی فکر میں رہتا ہے تو آپس میں دشمنی ٹھن جاتی ہے، لیکن سارے دشمن ایک دن ختم ہو جاتے ہیں اور پھر یہ تن تنہا رہ جائے گا، اب کس کی دشمنی سے آدمی بچے، فوج سے بچے، سپاہی سے بچے، بچھو سے بچے، سانپ سے بچے، سارے دشمن ہی دشمن ہیں تو بچنے میں مشکل ہوگی۔ ہزاروں دشمن ہیں اور آدمی کا دل ایک ہے تو بچنے کے لئے کہاں کہاں جائے؟۔ تو میں نے قرآن کریم دیکھا۔ اس میں ہے کہ: ﴿إِنَّ الشَّيْطٰنَ لَكُمْ عَدُوٌّ فَاتَّخِذُوْهُ عَدُوًّا﴾ ① ''شیطان تمہارا دشمن ہے جو اخیر تک دشمنی کرے گا''۔

تو میں نے ایک سے دشمنی بنا کے سب سے دشمنی قطع کر لی، تو میں شیطان سے لڑتا ہوں اس سے لڑوں گا تو سب دشمن ختم ہو جائیں گے، ساری دشمنی کی بنیاد، شیطان ہی ہے۔ لہٰذا میری کسی سے دشمنی نہیں، کسی سے عداوت نہیں تو دوسرا مسئلہ میں نے یہ سیکھا۔

بااعتمادِ ذات...... تیسرا مسئلہ یہ ہے میں نے دیکھا کہ دنیا میں ہر ایک نے کسی نہ کسی پر سہارا کر رکھا ہے، کسی نے روپے پر سہارا کر رکھا ہے کہ میرے گھر میں دولت ہے جو چاہوں گا کروں گا۔ کسی نے غلّہ پر سہارا کر رکھا ہے، کسی نے حکومت پر سہارا کر رکھا ہے، کسی نے رشتہ دار پر سہارا کر رکھا ہے میں نے قرآن کریم میں دیکھا تو معلوم ہوا کہ سارے سہارے ختم ہو جائیں گے صرف ایک اللہ کا سہارا ہے جو باقی رہے گا۔ ﴿وَمَنْ يَّتَوَكَّلْ عَلَى اللّٰهِ فَهُوَ حَسْبُهٗ﴾ ② ''جو اللہ پر بھروسہ کرے اللہ اس کے لئے کافی ہے''۔

تو میں نے ایک کو سہارا بنایا، باقی سہاروں کو ترک کر دیا۔ تو یہ میں نے تیسرا مسئلہ سیکھا۔ اسی طرح سے انہوں نے اور مسائل بیان کئے۔ تو حاصل یہ ہوا کہ ایک کو اپنا سہارا بنالو، ایک کو معبود بنالو، پھر اسی کی طرف جھکو، دنیا کی عداوت بھی چھوڑ دو، دنیا کی محبت بھی چھوڑ دو اگر محبت کرو تو اللہ کے لئے عداوت باندھو، تو اللہ کیلئے، جس کا مطلب یہ ہے کہ محبوب تمہارا ایک ہی ہے اور مبغوض شیطان ہے، اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اس کو ہمیشہ ہمیشہ کے لئے دشمن سمجھو، اس سے دشمنی ٹھان لو۔ اللہ سے دوستی کر لو اور اپنے ضمیر سے فیصلہ کر لو۔ تو مطلب یہ ہے کہ دین اور آخرت کی بات آدمی کو تنہا سوچنی ہے، اس میں کوئی سہارا نہیں خود اپنے ضمیر سے فیصلہ کر لو۔ اپنے دل سے سوچ لو اور خوب چھان بین کر لو، جب حق واضح ہو جائے۔ علی الاعلان اس کو مان لو یہ نہ دیکھو کہ کون کیا کہے گا؟ کون کیا کہے گا؟ کہنے والے کہا ہی کرتے ہیں ان کی باتوں کا قطعی دھیان نہ کیا جائے، اپنے ضمیر کی آواز کو دیکھا جائے۔

صاحب دور کا اتباع مدارِ نجات ہے...... تو قرآن کریم کا کہنا یہ ہے کہ: تم اپنے ایمان کو مضبوط کرو۔ ایمان کو

① پارہ: ۲۲، سورۃ الفاطر، الآیۃ: ۶۔ ② پارہ: ۲۸، سورۃ الطلاق، الآیۃ: ۳۔

تعصبات میں دخل نہ دو۔ نہ شخصیتوں کے تعصبات کو، نہ رنگ و بو کے تعصبات کو، نہ زمین کے ٹکڑوں کے تعصبات کو نہ وطن اور قوم کے تعصبات کو، صرف ایک اللہ پر بھروسہ کرو، ایک نبی کی بات کو مانو، کہ اس دور میں صرف انہی کے ماننے میں نجات منحصر ہے، جس کا دور اور زمانہ ہوگا اسی کے ماننے پر نجات منحصر ہے۔ یا کوئی یوں کہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مانتا ہوں اور نجات ہو جائے گی، یہ غلط ہے، صاحب زمان نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہیں ان کا دور ہے، ان کے ماننے میں نجات ہے، دوسروں کے ماننے میں نجات نہیں ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد مبارک ہے: ''لَوْ کَانَ مُوْسٰی حَیًّا لَمَا وَسِعَهٗ اِلَّا اتِّبَاعِیْ'' ''آج اگر موسیٰ علیہ السلام بھی زندہ ہو کر آئیں گے تو میری اتباع کے سوا کوئی چارہ کار نہیں۔''

ان کی نجات بھی میرے ہی دین کے ماننے میں ہے۔ اس لئے کہ میں صاحب وقت اور صاحب زمان ہوں، میری شریعت کا دور دورہ ہے آج پریزیڈنٹ وقت فخر الدین علی احمد ہیں، ہندوستان کا قانون ان کے دستخطوں سے جاری ہو رہا ہے۔ آج پچھلے لوگ صدر نہیں اگر ان سے کوئی زندہ بھی ہوا اور کوئی یوں کہے کہ میں اس قانون کو مانتا ہوں جو پچھلے صدر کے زمانے میں جاری ہوا۔ اور ان کے قانون کو نہیں مانتا تو وہ باغی سمجھا جائے گا اس کو پھانسی کی سزا ہوگی، کہا جائے گا کہ آج ان کا دور ہے انہی کے قانون میں نجات ہے۔ آج کسی اور صدر کا قانون نہیں چلے گا۔

یا کوئی سابقہ صدر یوں کہے کہ میں چوں کہ پریزیڈنٹ رہ چکا ہوں اب بھی میرا وہی مقام ہے، میں چاہے کسی کی مانوں چاہے نہ مانوں۔ میں اب بھی پریزیڈنٹ ہوں، گورنمنٹ مقدمہ کرے گی کہ آج کا پریزیڈنٹ فخر الدین علی احمد ہے آج تم نہیں ہو، تمہیں ان کا اتباع کرنا پڑے گا، جو وہ قانون دیں تمہیں ماننا پڑے گا۔ اب تمہاری صدارت کا زمانہ نہیں ہے۔ تو جو صاحب دور اور صاحب زمان ہوتا ہے اس کے ماننے میں نجات منحصر ہوتی ہے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا دور مبارک جب آ گیا اور آپ خاتم الانبیاء ہیں اور آپ نے شریعت اور قانون لا کے رکھا تو آج نجات اسی کے ماننے میں منحصر ہے۔ آج کوئی کہے کہ میں تورات کو مانتا ہوں یا کہے انجیل کو مانتا ہوں نجات نہیں ملے گی، ان کا دور ختم ہوا۔ آج کا دور قرآن کا ہے۔ اسی کے ماننے میں نجات منحصر ہے۔ بہر حال اس آیت سے یہ مسئلہ نکلا کہ سات سو بات میں دخل مت دو ایمان قبول کرو ﴿لَا نُفَرِّقُ بَیْنَ اَحَدٍ مِّنْهُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُسْلِمُوْنَ﴾ ''ہم ان میں تفریق نہیں کرتے کہ کسی کو مانیں کسی کو نہ مانیں۔ ہم سب کے مطیع اور فرمانبردار ہیں''۔ ہم سب کے بارے میں تسلیم و رضا اختیار کرتے ہیں۔

انکارِ قرآن تمام کتب کے انکار کو مستلزم ہے...... اور یہ ہمیں کس نے منوایا؟ یہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیم ہے، آپ کا ماننا سب سے پہلے ہے۔ آپ کو ماننا سب کو ماننا ہے۔ قرآن کو مانا تو انجیل اور تورات کو بھی مانا۔ زبور کو بھی مانا۔ قرآن کریم کا انکار کیا تو کسی چیز کو بھی نہ مانا۔ اس لئے کہ قرآن کریم کی تو سند صحیح موجود ہے اور تورات و انجیل کی سند موجود نہیں۔ یہ تو قرآن کریم نے بتلایا کہ یہ آسمانی کتابیں ہیں اس لئے قرآن کے ذریعے ان

کو بھی مانیں گے، اس لئے قرآن کریم نے فرمایا: ﴿وَمُهَيْمِنًا عَلَيْهِ﴾

قرآن کریم تمام کتب سماویہ کا محافظ......قرآن کریم تمام پچھلی کتابوں کا محافظ ہے کہ ان کے اندر جو تعلیم حق ہے وہ قرآن نے جاری کر دی، اور قوموں نے جو رلا ملا دیا تھا قرآن نے اس کو نکال کر پھینک دیا۔

اس لئے ایک مسلمان جب اسلام لائے گا تو مسلمان ہونے کے بعد سچا عیسائی بنے گا کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام پر صحیح معنی میں ایمان لائے گا۔ اسی طرح جو مسلم بنا وہ صحیح معنی میں موسائی بنا۔ کہ اس نے سند متصل کے ساتھ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صحیح طور پر سمجھا۔ وہی ابراہیمی بنا وہی آدمی بھی بنا۔ یعنی حضرت آدم علیہ السلام کو مانا۔ تو سند متصل کی دنیا میں ایک ہی کتاب ہے، اس نے دنیا کی کتابوں کا تعارف کرایا، اس کا ماننا سب کا ماننا ہے اس میں داخل ہونا ساری چیزوں کو اپنے سامنے لے آنا ہے اس واسطے ہم سب کا فرض ہے کہ دین کے بارے میں تعصّبات کو چھوڑ دیں۔ دین کے بارے میں اس بات کو چھوڑ دیں کہ فلاں کیا کہتا ہے، فلاں کیا کہتا ہے، خود اپنے ضمیر پر غور کریں، اور اگر ماننے کی چیز ہے تو مانیں اور برملا اس کا اظہار کریں۔

یہ چند باتیں اس آیت کی روشنی میں مجھے عرض کرنی تھیں خدا جانے کہ میں اس میں کامیاب ہوا کہ نہیں اور آیت کے سلسلہ میں جو مقاصد ہیں وہ پیش ہو سکے یا نہیں؟ مگر بہر حال جو استطاعت تھی وہ چند جملے میں نے عرض کر دیئے، خدا کرے کہ نافع ثابت ہوں۔

اور جب آیت میں آپ غور کریں گے تو یہ باتیں منکشف ہو کر آپ کے ذہن میں گھومیں گی، جتنا آپ سوچیں گے اتنا انشاء اللہ آپ اس سے فائدہ اٹھائیں گے، اور اس سے اچھے نتائج اخذ کریں گے، بہر حال یہ چند باتیں میں نے عرض کر دیں، دعاء ہے کہ اللہ تعالیٰ ہمیں حق کو حق دکھلائے اور باطل کو باطل دکھلائے۔

اَللّٰهُمَّ اَرِنَا الْحَقَّ حَقًّا وَّارْزُقْنَا اتِّبَاعَهٗ وَاَرِنَا الْبَاطِلَ بَاطِلًا وَّارْزُقْنَا اجْتِنَابَهٗ رَبَّنَا لَا تُزِغْ قُلُوْبَنَا بَعْدَ اِذْ هَدَيْتَنَا وَهَبْ لَنَا مِنْ لَّدُنْكَ رَحْمَةً اِنَّكَ اَنْتَ الْوَهَّابُ. اَللّٰهُمَّ اِنَّا نَعُوْذُ بِكَ مِنَ الْحَوْرِ بَعْدَ الْكَوْرِ. اَللّٰهُمَّ لَا تَنْزِعْ مِنَّا صَالِحَ مَآ اَعْطَيْتَنَا رَبَّنَا اغْفِرْ لَنَا ذُنُوْبَنَا وَاِسْرَافَنَا فِيْٓ اَمْرِنَا وَثَبِّتْ اَقْدَامَنَا وَانْصُرْنَا عَلَى الْقَوْمِ الْكٰفِرِيْنَ. (آمین)

۱۴. ربیع الثانی ۱۴۰۵ھ